امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

اس شمارہ میں

- اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
- دینی مسائل، یادوں کے چراغ
- موجودہ حالات اور مسلمان
- شاید کہ نوجوان وقت کے ساتھ......
- غیر مسلموں سے تجارتی تعلقات
- آر ایس ایس اور اس کی سرگرمیاں
- اردو زبان اور اس کا تدریجی ارتقاء
- اخبار جہاں، ملی سرگرمیاں، ہفتہ رفتہ

جلد نمبر 63/73 | مورخہ ۳۰ ؍ جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۳ ؍ جنوری ۲۰۲۳ء روز سوموار | شمارہ نمبر 04

بین السطور

ایک طرز حکومت ہے جمہوریت بھی

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

جمہوریت انگریزی لفظ ڈیموکریسی (Democracy) کا اردو ترجمہ ہے، جو یونانی زبان کے لفظ ڈیمو (Demo) اور کریٹوس (Kratos) سے مرکب ہے۔ ڈیمو (Demo) کے معنی ہیں عوام اور کریٹوس (Kratos) کے معنی ہیں حکومت، اس طرح جمہوریت کا مطلب ہوا عوام کی حکومت، لیکن عملاً اس پھیلی ہوئی دنیا اور بڑھتی ہوئی آبادی میں عوام کا براہِ راست اجتماعی طور پر حکومت میں حصہ لینا دشوار تھا، اس لیے (Democracy) کے ساتھ ایک دوسرا لفظ ری پبلک (Republic) بھی جوڑ دیا گیا، یہ اطالوی زبان کے رس پبلیکا (Respublica) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں ’’ایسی طرز حکومت جس میں عوام براہِ راست حصہ نہ لیتے ہوں، بلکہ عوام کے منتخب نمائندے اس بارگراں کو اٹھا کر سماجی، ثقافتی، اور سیاسی استحکام کے لیے کوشاں ہوں۔ اس لیے اب اگر ہم جمہوریت کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد ڈیموکریسی (Democracy) کے ساتھ ساتھ ری پبلک (Republic) نظام حکومت بھی ہوتا ہے۔

تاریخی پس منظر: جمہوری نظام حکومت کی بنیاد کب سے پڑی، یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے تاہم اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ کے ابتدائی دور میں جب انسان پتھر اور تانبے کے دور سے نکل کر ایک منظّم سماج کی تشکیل کر رہا تھا، تو سربراہ، قائد اور قبیلوں کے سرخیل کے انتخاب میں لاشعوری طور پر جمہوری طرز اختیار کرتا تھا۔ چنانچہ یونان کے علاقہ ایتھنس میں پانچویں صدی قبل مسیح میں ایسی جمہوریت کا پتہ چلتا ہے جس سے دس ہزار کی آبادی میں سیا یک تہائی یعنی تقریباً ساڑھے تین ہزار آدمی حکومت کے کاموں میں براہِ راست حصہ لیتے تھے۔ ویشالی جو جمہوریت کی جائے پیدائش ہے وہاں کے ایوان میں سات ہزار سات سو ستہتر ارکان ہوا کرتے تھے۔

حکومت کی ارسطا طالیسی تقسیم: زمانہ قدیم میں قبل مسیح ہی سے عملاً شعوری طور جمہوریت قائم ہوگئی تھی، لیکن اسے کسی سیاسی نظریے کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکا تھا، کیونکہ اس وقت معاشرہ اس قدر ترقی نہیں کرسکا تھا جو سیاسی اور سماجی طور پر کسی نظریے کی داغ بیل ڈالتا، بعد میں جب انسانی معاشرے نے کچھ ترقی کی اور سماج میں تہذیب وتمدن نے اپنا مقام حاصل کرلیا تو مشہور فلسفی ارسطو نے اپنی کتاب ’’سیاسیات‘‘ میں (1) بادشاہت (Royalty) (2) شخصی حاکمیت (Autocracy) (3) طبقاتی حکومت (Oligarchy) اور (4) پالیٹی (Polity) کا سیاسی نظریہ پیش کیا، جو اب تک کی سب سے قدیم اور شاید سب سے سادہ تقسیم ہے، اس سے قبل جمہوریت کا کوئی فکری تصور نہیں تھا۔

جمہوریت ایک سیاسی نظریہ: زمانے نے کچھ اور ترقی کی، یہاں تک کہ سترھویں صدی کا انقلاب آفریں دور آگیا، عیسائی مذہب کی دیواریں منہدم ہونی شروع ہوگئیں، پاپائیت اور شخصی آمریت کی اہمیت باقی نہ رہی، ظلم وتشدد کے خلاف سماجی وسیاسی شورشیں زور پکڑنے لگیں، اور اس آگ کے شعلے مذہب کے دامن سے نکل کر سیاست کے دامن کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگے، میکاویلی (Macavelli) اور طامس ڈیکن (Thomas Decean) نے شخصی حکومت کی تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے جمہوریت کو سیاسی نظریے کے طور پر پیش کیا، خوش قسمتی سے اس نظریے کو اپنے ابتدائی دور میں ہی سر طامس مور (Thomesmore Sir) جیسے مفکر کی حمایت حاصل ہوگئی، جس نے اپنے مشہور ومعروف کتاب ’’لی ٹوپیا‘‘ (Litopia) میں مثالی اشتراکیت (Idealsocialion) اور جمہوری حکومت (Democraticstate) کے نظریے پر عقلی اور منطقی دلائل کے انبار لگادیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کے بادشاہ چارلس اوّل کے زمانے میں کراموِیل کی قیادت میں 1688 میں انقلاب برپا ہوا اور پھر عوام نے فرانس اور جرمن حکومت کا تختہ الٹ کر اسے بھی جمہوریت کی آغوش میں دے دیا، مرور ایام کے ساتھ اس نظریے نے اتنا فروغ پایا کہ کہیں تو شاہوں نے برضا ورغبت گدی خالی کردی اور کہیں عوام نے جبراً تخت نشیں کو خاک نشیں بنا کر اپنا تسلط قائم کرلیا۔

جمہوریت کی تعریف: ابراہیم لنکن (LincolnAbraham) نے جمہوریت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’’عوام کی حکومت جو عوام کے ہاتھوں اور عوام کے لیے ہو‘‘ (forPeopletheofGovernment people the by and People the) کو جمہوریت کہتے ہیں۔ صاحبِ فیروز اللغات نے جمہوریت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’’جمہوریت وہ نظام حکومت ہے جس میں عوام کے انتخاب کی بناء پر کسی کو حاکم مقرر کرلیا گیا ہو اور وہی شخص عوام کے سامنے جوابدہ ہو‘‘۔

جمہوریت کے اجزاء ترکیبی: مختلف ماہرین سیاسیات نے جمہوریت کے مختلف اجزاء ترکیبی بیان کیے ہیں، لیکن ان تمام میں دو اجزاء مشترک ہیں، ایک سیکولرزم اور دوسرا نیشنلزم، سیکولرزم کے معنی لادینی، غیر مذہبی، خدا بیزاری کے ہیں، اور اصطلاح میں سیکولرزم ایسے رجحان کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق سیاسی اور سماجی اداروں میں، مذہبی معتقدات اور مابعد الطبعی تصورات پر مبنی نہ ہوں، اس کا دوسرا جزء نیشنلزم ہے جو مساوات، انقلابی اور قومی نظریہ کے مترادف ہے۔ ان کے علاوہ آج کے ترقی پذیر دور میں مغربی جمہوریت کے کچھ اور اجزاء ترکیبی امیدواری (Candidating) ورغلانا (Canvencing) پروپیگنڈہ، رائے دہندگی (Voting) اور کثرت رائے (Majortty) نکل آئے ہیں جو جمہوریت کے بازار میں سکہ رائج الوقت کی طرح چلتے ہیں۔

جمہوریت نے کیادیا؟ ابتداء میں جمہوریت کا نظریہ شخصی حاکمیت کے مقابلے میں پیش کیا گیا تھا، جس کے معنی یہ تھے کہ خاندان کے کسی ایک فرد کو لاکھوں اور کروڑوں انسانوں پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں، تمام انسان برابر ہیں، ان میں سے ہر ایک کی اپنی انفرادی اہمیت ہے، جب کہ شخصی حکومت میں انفرادی حیثیت غلامی میں تبدیل ہوجاتی ہے، اس لیے انسانیت اور انفرادی اہمیت کی ازسرنو بحالی کے لیے ایک ہی راستہ تھا کہ جمہوریت کو فروغ دیا جائے تاکہ انسان کی حیثیت صرف ایک خارجی شئے کی نہ رہ جائے بلکہ اسے سماجی، سیاسی اور شہری حقوق بدرجہ اتم حاصل ہوں، وحشی مادی قوتوں اور بہیمانہ خاصیتوں کا زوال ہو، اور انسان انسانیت کی ڈگر پر آگے بڑھ سکے، اقتصادیات میں قومی دولت کو اتنا فروغ مل جائے کہ ملک کی ساری آبادی کو ایک معقول زندگی بسر کرنے کا موقع ہاتھ آسکے اور دولت کی تقسیم کا ایسا معقول انتظام ہو کہ سرمایہ دار اور مزدور کی طبقاتی کشمکش ختم ہو اور ہر ایک کو معیاری زندگی گزارنے کے اسباب مہیا کرائے جاسکیں۔

لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا، جمہوریت کے تانے بانے بھی ان مسائل کو حل کرنے میں تارعنکبوت ثابت ہوئے، آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ جن خطرات سے بچنے کے لیے اتنے پاپڑ بیلے گئے تھے وہ سب خواب وخیال بن کر آرزو؟ ں کی چتا پر بے گور وکفن پڑے ہوئے ہیں، اس کے برعکس قومیت ووطنیت کے جھگڑے نے آج سارے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور آمریت خم ٹھونک کر میدان میں آگئی ہے، استعماریت نے اپنے خونی پنجے انسانیت کی شہ رگ میں اتارنا شروع کردیا ہے، طبقاتی کشمکش اور غریبی امیری کی خلیجیں اتنی گہری ہوگئی ہیں کہ شاید مدتوں تک انہیں پاٹا نہ جاسکے۔ اور اس طرح دنیا دو عالمگیر جنگوں کی تباہ کاریوں کے بعد تیسری جنگ کے دہانے پر کھڑی ہوئی ہے، نیوکلیائی ہتھیاروں اور ایٹمی توانائی کے اس دور میں جس کا روکنا شاید ممکن نہ ہو۔

غلطی کہاں ہوئی؟ جمہوریت میں جہاں تک شخصی حاکمیت کے ختم کرنے کا تصور ہے وہ اپنی جگہ نہ صرف درست بلکہ لائق ستائش ہے، ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ جمہوریت کی دعوت ایک ایسی دعوت ہے، جو عام انسانی سوسائٹی کی عالمی انسانی تنظیم کے لیے کوشش کرتی ہے، ہمیں یہ بھی علم ہے کہ جمہوریت افراد اور قوموں کے درمیان بلاتفریق تمام نوع انسان کی بھلائی اور خوش حالی کے لیے کوشاں ہے، اگر بات اتنی ہی ہوتی تو اس سے انسانیت کو درپیش چیلنج کا حل بآسانی ہوسکتا، لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے، بلکہ شخصی حکومت کے عدم سے ایک وجود اور نہیں سے ’’ہے‘‘ نے جنم لے لیا ہے۔ جو بنیادی طور پر غلط ہے، عوام کی حکومت اور قانون سازی کا حق (toRight Rule) عوام کو دیدینا یہ جمہوریت کی اتنی بڑی خرابی ہے جس نے اس کے تمام اصلاحی اقدامات اور انقلابی افکار کو منجمد کردیا ہے، جب سنگ بنیاد ہی ٹیڑھی ہو تو دیوار کے سیدھے ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں جمہوریت کے بانیوں اور داعیوں نے شدید ٹھوکریں کھائی ہیں وہ یہ بھول گئے کہ یہ نظریہ انسان پر انسان کی برتری کو تسلیم کرتا ہے اور یہی ملوکیت کی دوسری شکل ہے، (بقیہ صفحہ ۱۴ ؍ پر)

اچھی باتیں

’’نیک ضرور بنو مگر اتنے بھی نہیں کہ ہر دوسرا بندہ گنہگار نظر آنے لگے ☆ ہر ایک کی سنو اور ہر ایک سے سیکھو، کیوں کہ ہر کوئی سب کچھ نہیں جانتا، مگر ہر کوئی کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے ☆ اگر آپ اپنے اندر سے خوش نہیں ہیں تو کوئی بھی آپ کو خوش نہیں کرسکتا ☆ اللہ کی محبت کا انداز بھی کمال کا ہے، سب کچھ دے کر کہتا ہے ’’ہے کوئی مانگنے والا‘‘ ☆ صرف جائے نماز ہی وہ جگہ ہے جہاں رو لو تو تماشا نہیں بنتا ☆ جس انسان میں سچ سننے کی طاقت نہ ہو اس انسان سے گفتگو کرنے سے گریز کرنا چاہیے؛ کیوں کہ وہ آپ کی ہر بات کو غلط قرار دے کر اپنی غلطیوں کا بھی قصوروار آپ ہی کو ٹھہرائے گا‘‘۔ (حاصل مطالعہ)

بلا تبصرہ

’’نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بے روزگار ٹہل رہی ہے، حکومتیں ان سے وعدہ کرتی ہیں کہ وہ ان کو روزگار دیں گی، مگر جب وہ روزگار مانگتے ہیں تو ان کو لاٹھیاں ملتی ہیں، نوجوانوں کی زندگی وعدوں سے عبارت ہے، وہ بوڑھے والدین کے ہاتھوں کی جھریاں اور آنکھوں کے خواب دیکھ کر بوجھ اٹھائے دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں، اعلیٰ ڈگریوں سے ان کے وجود گراں بار ہیں، ان کے پاس وہ سب کچھ ہے جو انہیں اپنی محنت سے حاصل کرنا تھا، بس وہ نہیں ہے جو حکومتوں کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔‘‘ (راشٹریہ سہارا، ۸ ؍ جنوری ۲۰۲۳ء)

اللہ کی باتیں----- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

نیک بندوں کے اوصاف

''جولوگ خوشی اور تنگی میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے'' (سورۂ آل عمران، آیت:۱۳۴)

مطلب: اللہ رب العزت نے قرآن پاک کی مختلف آیات میں متقیوں اور پرہیزگاروں کے چند اوصاف بیان فرمائے ہیں اور انہیں جنت کی بشارت سنائی ہے، مذکورہ آیت میں اپنے نیک بندوں کی دوصفت بیان کی ہے، پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ نے انہیں جو کچھ مال ودولت کی نعمت سے نوازا ہے، اس میں سے ہر حال میں اپنی استطاعت کے مطابق راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، معاشرہ اور سماج کے پریشان حال لوگوں کی مالی مدد کرتے رہتے ہیں اور اس سے دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں، سورۂ فاطر میں ہے کہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جولوگ اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں چھپا کر یا ظاہر کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں، جس میں بالکل نقصان نہیں ہے، بلکہ اللہ ان کو اس کا بھر پور بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے اور زیادہ عطا کرے گا، بے شک وہ بڑا بخشش کرنے والا ہے اور دوسری صفت یہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہیں، آپے سے باہر نہیں ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ نے سورہ فجر میں عفوودرگزر کرنے والوں کی بڑی تعریف فرمائی، یہ صحیح ہے کہ خلاف طبیعت باتوں پر غصہ آنا یک فطری امر ہے، مگر اس کو کنٹرول کرنا اور دوسرے کو معاف کردینا، اس سے بھی بڑا عمل ہے، اگر انسان غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے تو بلاشبہ اس بہادری کا درجہ کشتی کے میدان میں پہلوانوں کو زیر کرنے سے زیادہ موثر اور طاقتور ہوگا، اس لئے کسی آدمی کو غصہ آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قابو پانے کے لئے ایک نفساتی تدبیر بتلائی ہے کہ جب تم میں سے کسی کو کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور اگر بیٹھنے کی حالت میں غصہ آئے تو چاہئے کہ وہاں سے ہٹ جائے اور اگر پھر بھی یہ کیفیت باقی رہے تو وضو کرلے، یہ ایک نفساتی علاج ہے کہ غصہ کی حالت میں خون میں تیزی، رگوں میں حرکت اور گرمی پیدا ہوجاتی ہے، اس خرابی کو دور کرنے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ اس میں ٹھنڈک پہونچا کر اسے اعتدال پر لایا جائے، اب جبکہ وضو کیا جائے گا تو اس سے دو فائدے ہوں گے، ایک یہ کہ نفسیاتی طور پر توجہ اور خیال کا رخ بدل جائے گا اور دوسرے یہ کہ پانی کی ٹھنڈک سے خون کی تیزی کم ہوجائے گی، اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسانوں کو خود اپنی زبان اور حرکات وسکنات پر اعتدال وتوازن رکھنا چاہئے، تاکہ دوسروں کو ایذا نہ پہونچے اور وہ غصہ میں نہ آئے، اگر ہم ہر دو پہلو کا خیال رکھیں تو انسانی معاشرہ میں ہر کسی کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملے گا اور ہمارا سماج امن وسکون کو گہوارہ بن جائے گا۔

انسانی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تین خوبیاں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر پردہ پھیلا دیں گے اور اسے جنت میں داخل کردیں گے، بشرطیکہ وہ مومن ہو، وہ تین خوبیاں یہ ہیں: (۱) کمزوروں سے نرمی کرنا۔ (۲) والدین سے شفقت کرنا۔ (۳) اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا'' (ترمذی شریف)

وضاحت: اللہ رب العزت نے ہر انسان کو معزز ومحترم پیدا کیا اور معاشرہ میں ان کے لئے بنیادی حقوق عطا کئے، اس لئے یہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی عزت نفس کو ٹھیس پہونچائے یا اس کی عزت وآبرو پر حملہ کرے، اس لئے مذکورہ حدیث میں فرمایا گیا: جس انسان کے اندر یہ تین خوبیاں ہوں گی وہ اعلیٰ درجہ کا انسان تصور کیا جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ فرمائیں گے اور اگر وہ مومن ہے تو ان کو ان خوبیوں کے سبب جنت میں داخل کریں گے، اول یہ کہ کمزوروں اور پریشان حال انسانوں کے ساتھ لطف وکرم کرنے والا شخص باکمال شخص ہوگا، کیونکہ کسی سے نرمی اور محبت سے بات چیت کرنا انسانی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے، اس سے آپس کے تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں اور محبت ویگانگت پیدا ہوتی ہے، اگر کوئی بدخلق ہے تو اس سے بھی حسن اخلاق سے ملئے، کیوں کہ مومن کو کشادہ دل ہونا چاہئے، ان کے عیوب کی وجہ سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہئے، دوسرے ایسی اولاد جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، کیونکہ والدین اولاد کے سب سے بڑے محسن، ہمدرد وغم گسار ہوتے ہیں، ان کی پرورش وپرداخت میں والدین نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں، اس لئے جب اولاد سن شعور کو پہونچ جائیں، تو ان پر لازم ہے کہ وہ والدین کی تعظیم وتکریم کریں، گفتگو میں نرمی برتیں، انہیں عظمت ومحبت کی نگاہوں سے دیکھیں اور ان کی خدمت کو عبادت سمجھیں، اس سے اولاد کی عمر میں برکت اور زندگی میں ترقی وخوش حالی آئے گی، انہیں بنیادوں پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد ماں باپ کے حقوق رکھے اور اپنی عبادت اور وحدانیت کے اقرار کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا اور تیسرا خوش نصیب وہ انسان ہے جو اپنے ماتحتوں پر دست شفقت پھیرتے ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں، اس سے انسان کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے اگر آپ کے ماتحتوں سے کبھی کوئی ناگہانی غلطی سرزد ہوجائے تو تحمل وبردباری سے کام لیجئے، فوراً غصہ میں آپے سے باہر نہ ہوئیے اور نہ ہی انتقامی جذبے سے انہیں نقصان پہونچائیے، ہاں! اگر اس سے کوئی ناقابل معافی غلطی صادر ہوگئی تو تنبیہ ضرور کیجئے اور اصلاح حال کا موقع فراہم کیجئے، روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت انسؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیجا تو وہ باہر بچوں کے ساتھ کسی کام میں مشغول ہوگئے، دیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ان کی گردن پکڑ لی، انہوں نے مڑ کر دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انس! جاؤ جہاں میں نے تمہیں حکم دیا ہے، کر کے آؤ، یہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق، آپ بھی اسوہ رسولؐ کے مطابق اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے، یہ تین خوبیاں ایسی ہیں، جن سے انسان کا کردار بلند ہوتا ہے اور معاشرہ وسماج میں وہ عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے ہر صاحب ایمان کو ان اوصاف کا حامل ہونا چاہئے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

جھنڈے کو سلامی دینا:

س: پرچم کشائی کے وقت پیشانی پر ہاتھ رکھ کر جھنڈے کو سلامی دینا درست ہے یا نہیں؟

ج: کسی بھی ملک کا جھنڈا اس ملک کی عزت وعظمت اور سربلندی کا نشان ہوتا ہے، جھنڈے کو اسی نظریہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کا احترام کیا جاتا ہے، اسے مذہبی رنگ اور عبادت کے پہلو سے دیکھا نہیں جاتا اور نہ ہی اس لحاظ سے اس کی تعظیم کی جاتی ہے، ہمارے ملک بھارت کا پرچم بھی اس ملک کی عظمت وشان کا نشان ہے، جس کے قانونی اعتبار سے کچھ آداب اور ضابطے ہیں، جن کا خیال رکھنا ضروری ہے، پرچم کشائی کے وقت شرکاء کا کھڑے رہنا، جھنڈے کو ہاتھ کے اشارے سے سلامی دینا اور اس کے بعد قومی گیت پڑھنا قانونی طور پر اس کے آداب میں سے ہے جس کی خلاف ورزی بعض دفعہ باعث پریشانی ہوتی ہے؛ چونکہ پرچم کشائی کے وقت جھنڈے کی سلامی کا مذکورہ طریقہ اس کے آداب کا حصہ سمجھ کر بطور رسم ادا کیا جاتا ہے، اسے دین اور عبادت کا حصہ سمجھ کر انجام نہیں دیا جاتا، اس لئے اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے فقط

قومی ترانہ جن گن من...... پڑھنا

س: پرچم کشائی کے بعد قومی ترانہ جن گن من...... پڑھا جاتا ہے، بہت سارے اسکول وکالج میں مسلم طلبہ بھی پڑھتے ہیں بلکہ یوپی کے مدارس میں تو وہاں کی حکومت نے لازم قرار دیا ہے اور نہ پڑھنے کی صورت میں قانونی کارروائی یا بلاوجہ پریشان کئے جانے کا شدید اندیشہ ہے ایسی صورت میں کیا مسلمانوں کیلئے اس کا پڑھنا جائز ہے؟

ج: ترانہ جن گن من......رابندر ناتھ ٹیگور کا ہے جسے ۲۴رجنوری ۱۹۵۰ء کو بھارت کی قانون ساز کمیٹی نے سرکاری طور پر منظوری دی اور یہ بھارت کا قومی ترانہ قرار پایا، یہ ترانہ کسی ایک قوم کا خاص شعار نہیں، بلکہ سیکولر ملک اور دھرم نرپیکچھ راشٹریہ کا ترانہ ہے، جس وقت اس ترانہ کو منظوری ملی اس وقت سیکولر ذہنیت کے لوگوں نے یقیناً اس پہلو سے بھی غور کیا ہوگا کہ اس میں ایسا کچھ نہ ہو جس سے کسی کے مذہب کو ٹھیس پہونچے اور کسی کا عقیدہ مجروح ہو؛ چنانچہ اس نظم میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ نظم محتمل المعنیین ہے، ہر مذہب والا اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق اس کو ڈھال کر پڑھ سکتا ہے، اور مسلمان بھی اسے پڑھ سکتا ہے؛ کیونکہ بعض محققین کی تحقیق کے مطابق ٹیگور کو خدا کی ذات پر یقین تھا اور اس نے یہ نظم اسی کے حمد وثناء میں ترتیب دی؛ چنانچہ نظم کے الفاظ اور معنیٰ میں اس بات کی پوری گنجائش موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

جَنَ گَنَ مَنَ ادھی نایکَ جَیَ ہے بھارتَ بھاگیہ وِدھاتا
پنجابَ سندھَ گجراتَ مراٹھا دراوڈَ اُتکلَ بنگ
وندھیہ ہماچلَ یمونا گنگا اُچھلَ جلدَھی ترنگ
توَ شُبھَ نامے جاگے توَ شُبھَ آشش مانگے
گاہے توَ جَیَ گاتھا جَنَ گَنَ منگلَ دایک جَیَ ہے
بھارتَ بھاگیہ وِدھاتا جَیَ ہے، جَیَ ہے، جَیَ ہے
جَیَ جَیَ جَیَ جَیَ ہے

ترجمہ: اے نوع انسانی کے قلوب کے مالک حقیقی! تیری تعریف ہے، اے بھارت کی تقدیر بنانے والے! پنجاب، سندھ، گجرات، مراٹھا، دراوڑ، اتکل، بنگال، وندھیاچل اور ہماچل پردیش کے تمام لوگ، گنگا، جمنا، اور اچھلتے لہراتے سمندر تیرا ہی نام لے کر بیدار ہوتے ہیں، اور تجھ سے نیک دعائیں مانگتے ہیں، پھر تیرے ہی غلبہ کی داستان بیان کرتے ہیں، اے لوگوں کی آرزوؤں کی تکمیل کرنے والے! اے بھارت کی تقدیر بنانے والے تیری تعریف ہے، تعریف ہے------

لہٰذا! اس ترانے کو اس نظریہ سے پڑھا جائے کہ اس میں اس عظیم ہستی کی تعریف کی گئی ہے جو ساری کائنات کا خالق ومالک ہے، جس کے قبضہ قدرت میں ملکوں کی تقدیر ہے، جس کی قدرت کا مظاہرہ دریاؤں میں، سمندروں میں، پہاڑوں میں، مشرق ومغرب، شمال وجنوب اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہے، جس کا ہر جگہ نام لیا جاتا ہے، اس کی تعریفیں کی جاتی ہیں اور اسی سے کامیابی وکامرانی کی دعائیں مانگی جاتی ہیں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے،

اب رہا یہ سوال کہ ''جے'' کو اللہ کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا؛ کیونکہ اس لفظ کو مشرکین دیوی دیوتاؤں کیلئے استعمال کرتے ہیں، یہ تشبہ بالکفار ہے جو ممنوع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ''جے'' کا معنی بنیادی طور پر تعریف کرنا ہے جب ''جے'' کا مفہوم بنیادی طور پر تعریف کرنا ہے تو شرعی نقطہ نظر سے ذات باری تعالیٰ پر اس کے اطلاق میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، جس طرح عبادت کے مفہوم کو ہندی میں پوجا کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ذات باری کی عبادت کو ہندی میں اگر پوجا سے تعبیر کیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

رہ گیا تشبہ بالکفار تو تشبہ وہی ممنوع ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ ان کا خاص شعار ہو یا فی نفسہ اس میں شرعا کوئی حرج ہو اور مذکورہ ترانہ کسی قوم کا خاص شعار بھی نہیں اور نہ ہی مسلمان، مشرکین کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے پڑھتا ہے بلکہ وہ ملک کا ترانہ ہونے کی حیثیت سے ایک رسم کے طور پر اور کسی فتنہ میں پڑنے کے خوف اور اندیشہ سے پڑھتا ہے، لہذا یہاں تشبہ بالکفار کا پہلو بھی نہیں۔

ان التشبہ بھم لایکرہ فی کل شیء بل فی المذموم وفیما یقصد بہ التشبہ (الدر المختار)

قولہ: (لان التشبہ بھم لایکرہ فی کل شیء) فانا ناکل ونشرب کما یفعلون... فقد اشار الی ان صورۃ المشابھۃ فیما تعلق بہ صلاح العبد لایضر'' (رد المختار: ۲/۳۸۴، مطلب فی التشبہ باھل الکتابۃ)

بہتر یہ ہے کہ ترانہ ''سارے جہاں سے اچھا'' پڑھا جائے، لیکن اگر قومی ترانہ ہی پڑھنے کی مجبوری ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے تصور سے پڑھا جاسکتا ہے، شرعا اس کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار

نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 63/73 شمارہ نمبر 04 مورخہ ۳۰؍جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۳؍جنوری ۲۰۲۳ء روز سوموار

جمہوری اقدار کی حفاظت

نقیب کا یہ شمارہ جب آپ کے ہاتھوں میں پہونچے گا، آپ جشن جمہوریت منانے کی تیاری کر رہے ہوں گے، ہر سال کی طرح امسال بھی جشن منایا جائے گا، انڈیا گیٹ کے سامنے ہندوستان کی تہذیبی وثقافتی جھانکیاں پیش کی جائیں گی، دفاعی میدان میں اور اسلحوں کی دوڑ میں ہماری جو حصولیابیاں ہیں، اس کا مظاہرہ کیا جائے گا، شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا جائے گا، پورا ملک جشن میں ڈوب جائے گا، ترنگے جھنڈوں کے ساتھ مدرسوں، اسکولوں اور اداروں میں رنگا رنگ تقریب ہوگی، طلبہ وطالبات کو انعامات سے نوازا جائے گا، سیاسی حضرات کی جانب سے ہندوستان کے مجاہدین آزادی کا گن گان کیا جائے گا، اور لمبے چوڑے بیانات اور وعدوں کے ذریعہ سیدھے سادے عوام کو لبھانے کی کوشش کی جائے گی اور ایسا پہلی بار نہیں ہوگا، ہر سال ایسا ہی ہوتا ہے 26 جنوری گذر ا اور ہم سب یہ بھول جاتے ہیں کہ جمہوریت کے لفظی نعروں کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اصل ہے جمہوری اقدار کا تحفظ؛ جس سے ملک دور سے دور ہوتا جا رہا ہے، ہم نے جمہوریت کا مطلب صرف عوام کی حکومت، عوام کے لیے عوام کے ذریعہ سمجھ لیا ہے اور ہر پانچ سال پر انتخابات میں سارے حربے استعمال کرکے حکومت پر جو قبضہ کیا جاتا ہے، اسے ہم جمہوری طریقہ کار سے تعبیر کرتے ہیں اور خوب خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا ملک جمہوری اعتبار سے مضبوط ہے، یہاں عوامی حکومت ہے اور اس قدر مضبوط ہے کہ پڑوسی ملکوں کی طرح یہاں مارشل لا لگانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور ملک تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

یقیناً ترقی کر رہا ہے، آزادی سے قبل جن گھروں میں سائیکل دستیاب نہیں تھی، آج موٹر سائیکل اس گھر میں موجود ہے اور بعض گھروں میں تو ہر آدمی کے لیے موٹر سائیکل دستیاب ہے، چار چکے کی بھی کمی نہیں ہے، کھانے کے لیے آزادی سے قبل عموماً عام لوگوں کے لیے باجرہ، جوار اور جو ہی مہیا تھا، گیہوں کی روٹی شاید باید گھروں میں ہر روز مہیا ہو پاتی تھی، دھوتی اور کپڑے بھی پورے طور پر فراہم نہیں تھے، زمینداروں کے ظلم وستم نے عام لوگوں کا جینا دو بھر کر دیا تھا، بعض حرکات تو انسانیت کو ذلیل کرنے والی ہوتی تھیں، جوتے پہن کر ان کے دروازے سے گذر انہیں جا سکتا تھا، سواری پر بیٹھ کر کوئی گذر جائے تو قیامت آجاتی تھی، لوگ بندھوا مزدوروں کی طرح ان کے یہاں کام کرتے اور کرتے کرتے مر جاتے تھے، یہ معاملہ نسل در نسل چلتا تھا، ایسے لوگوں کی اپنی مرضی نہیں ہوا کرتی تھی، سارا کچھ مالک کی مرضی کے تابع ہوتا تھا، تھوڑی سی غلطی اور چوک پر چمڑی ادھیڑ دی جاتی تھی، اور عفو ودرگذر، رحم وکرم کا خانہ خالی رہتا تھا، انسانیت سسک رہی تھی، کسان خودکشی کر لیا کرتے تھے، پوس کی رات اور جاڑے کی یخ بستہ سردی میں کھیتوں کی رکھوالی کرتے کرتے عمر گذر جاتی تھی۔

ملک آزاد ہوا، زمینداری ختم ہوئی، جمہوری دستور نافذ ہوا تو ملک کے عوام نے اطمینان کا سانس لیا اور بہت کچھ منظر بدلا، انسانی قدروں کی پامالی پر روک لگی، بندھوا مزدوری کا رواج ختم تو نہیں ہو سکا، کم ضرور ہوا، کھیت کسانوں کا ہو گیا، ان کی بھی خودکشی کے واقعات سامنے آنے کے باوجود حالات پہلے سے اچھے ضرور ہیں۔

اس جمہوری نظام کی وجہ سے حکومتیں بدلتی رہی ہیں، الگ الگ منشور اور مینوفیسٹو پر کام شروع ہوا، جو حکومت آئی اس نے اپنے نظریات ملک پر تھوپنے کی کوشش کی، اس کے نتیجے میں بھی بہت کچھ بدلا اور بدلتا چلا گیا، کسی نے گھوم کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ سلطانی جمہور میں، جمہوری اقدار کا جنازہ کس طرح نکلا اور نکلتا چلا گیا، سیاسی پارٹیوں کو حکومت عزیز تھی، جہاں سے ملے اور جس طرح ملے اور جتنے اقدار کو دفن کر کے ملے۔ سو انہیں جمہوری اقدار کے تحفظ کی فکر کبھی نہیں ہوئی۔

اس صورت حال نے جمہوری اقدار کو پامال کیا، جمہوریت میں صرف حکومت کا ہی عوامی ہونا ضروری نہیں ہے، عوام کی خواہشات، امنگیں، ان کے حقوق کا تحفظ، مذہب پر چلنے کی آزادی سب کا خیال رکھنا ضروری ہے، بدقسمتی سے بی جے پی کی مرکزی حکومت نے ہر سطح پر ان اقدار کو تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے، مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے، گ؟ رکچھا، لو جہاد، مندر تعمیر کے نام پر رواداری کا ماحول گذشتہ سالوں میں تیزی سے ختم ہوا ہے، نوٹ بندی اور جی ایس ٹی نے عوامی زندگی کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ چھوٹے کاروباری تجارت کے اعتبار سے ختم ہو چکے ہیں، طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی اب تک وہ اپنے کاروبار کو پھر سے کھڑا کرنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ گاندھی جی اس ملک میں عدم تشدد اور اہنسا کی علامت کے طور پر مختلف جگہوں پر تصویری شکل میں موجود تھے، انہیں بھی دیش نکالا دینے کی تیاری زوروں پر چل رہی ہے، کئی جگہ سے انہیں ہٹایا جا چکا ہے اور روپے پر بھی کتنے دن نظر آئیں گے، کہنا مشکل ہے، نسلی اور مذہبی بنیادوں پر ملکی باشندوں کو عصبیت کا سامنا ہے اور جان بوجھ کر دلتوں، مسلمانوں اور لسانی اقلیتوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، بحالیوں میں اور اعلیٰ عہدوں پر تقرریوں میں بھی سرکار سینئرٹی کو نظر انداز کر کے پرانے لوگوں کی حوصلہ شکنی کر رہی ہے،

یہ مکمل حالات نہیں، حالات کا ہلکا سا اشاریہ ہے، اس کو پھیلایا جائے تو بات دیر تک چلے گی اور دور تک جائے گی، کہنا صرف یہ ہے کہ ملک میں جس طرح جمہوری اقدار پامال ہو رہے ہیں اور کسی کو اس کی فکر نہیں ہے، ایسے میں جشن جمہوریت محض ایک رسم ہے؛ چونکہ یہ رسم ملکی دستور سے محبت کی علامت سمجھا جاتا رہا ہے، اس لیے ہر سطح پر اس جشن کا اہتمام کرنا چاہیے اور پورے جوش وخروش کے ساتھ کرنا چاہیے، لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جمہوری اقدار کے تحفظ کی ضرورت پہلے سے آج کہیں زیادہ ہے، ملک کے سیاسی رہنماؤں کو اس کے لیے اقدام کرنا چاہیے، یہ ملک سے محبت اور وفاداری کا تقاضہ بھی ہے اور جمہوری دستور کے تحفظ؛ بلکہ مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت کا بہترین طریقہ بھی۔

چلے چلو کہ ابھی وہ منزل نہیں آئی

ذات پر مبنی مردم شماری

حکومت بہار نے مرکزی حکومت کے انکار کے باوجود بہار میں ذات کی بنیاد پر مردم شماری کا فیصلہ اپنے صرفہ سے لے لیا، تیاری پوری ہوگئی، خاکے بنائے گیے، اس مردم شماری میں بہار کے اڑتیس اضلاع کے پانچ سو بلاک کے 2.58 کروڑ گھروں تک سروے کنندگان پہونچیں گے اور 12.27 کروڑ لوگوں کی گنتی کا کام ذات کے اندراج کے ساتھ کیا جائے گا، یہ دو مرحلوں میں مکمل کیا جائے گا۔ پہلا مرحلہ 7 جنوری سے 21 جنوری 2023 کو اختتام پذیر ہوا اس میں مکانات کی گنتی کی گئی، ان پر نمبر لگائے گیے اور یہ جاننے کی کوشش کی گئی کہ باہر سے دکھنے والیا یک مکان میں کتنے خاندان رہ رہے ہیں، ان کا گارجین کون ہے اور اس خاندان میں کتنے لوگ ہیں، دوسرا مرحلہ یکم اپریل سے 30 اپریل 2023 تک چلے گا، اس میں خاص طور سے ذات پر مبنی اعداد وشمار کو ڈیجیٹل انداز میں جمع کیا جائے گا، اس کام کے لیے بہار سرکار نے پینتیس (35) لاکھ ملازمین کو ٹریننگ دے کر تیار کیا ہے، مردم شماری کرنے والوں کے اوپر بڑی تعداد میں سوپر وائزر اور نگراں بنائے گیے ہیں اور ضلع مجسٹریٹ کو نوڈل افسر کی ذمہ داری دی گئی ہے تاکہ یہ کام سلیقہ سے اختتام تک پہونچے۔

پہلے مرحلہ کے کام کی تکمیل پر مردم شماری کرنے والوں نے کچھ پریشانیوں کی رپورٹ بھی سرکار کو دی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا مکان دیہات میں بھی ہے اور شہر میں بھی، اگر دونوں جگہ ایک ہی آدمی کے نام اور خاندان کا اندراج کیا جائے تو اعداد وشمار میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا، شہر میں ایک عمارت میں بہت سارے فلیٹس ہیں، جن کے مکیں مالک مکان نہیں، کرایہ دار ہیں، ظاہر ہے کرایہ دار کا جہاں اپنا مکان ہوگا وہاں کا پتہ دے گا، مالک مکان بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کرایہ دار کا نام اس مکان کے مکیں کے طور پر درج ہو جائے، کیوں کہ بعد میں وہ جب سرکار کے رکارڈ کا حصہ بن جائے گا تو مالک مکان کے لیے دشواریاں کھڑی ہو سکتی ہیں، ایک مسئلہ خالی پڑے مکان اور مذہبی عبادت گاہوں کا بھی ہے، خالی پڑے مکان کی ملکیت جس کی ہے اس کا نام ذکر کیا جائے تو کئی جگہ اندراج ہونے کی وجہ سے صحیح اعداد وشمار تک پہونچنا دشوار ہوگا، مسجد، مندر اور مذہبی مقامات کی عمارتوں پر مسجد، مندر کا اندراج کافی ہے، لیکن بعض سروے کنندہ ان مقامات کا اندراج نہیں کر رہے ہیں، جو بعد میں دشواری کا سبب ہو سکتا ہے، اعلیٰ افسران ان معاملات ومسائل پر غور وخوض کر رہے ہیں اور توقع کی جاتی ہے کہ اس سلسلے میں واضح ہدایت دوسرے مرحلے کے شروع ہونے کے پہلے سروے کنندگان تک پہونچ جائے گی۔

سروے کے بعد ایک مرحلہ ان اعداد وشمار کے جمع کرنے اور تجزیہ کے بعد نتیجہ تک رسائی کا ہوگا۔ اس کام کے لیے ایک ماہ یعنی 31 مئی 2023 تک کا وقت مقرر کیا گیا ہے، یہ سارے مراحل کے مکمل ہونے میں عدالت کا فیصلہ بھی رکاوٹ بن سکتا ہے کیوں کہ اعلیٰ ذات کے لوگوں کی طرف سے اس سروے کے خلاف درخواستیں عدالت میں زیر غور ہیں، اور عدالت نے اگر روک لگادی تو اس کام کو پایہ تکمیل تک پہونچانا ممکن نہیں ہو سکے گا۔

عدالت کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں آئی تو حکومت کو کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، کیوں کہ اس مردم شماری کے لیے جدیو ارکان پارلیامنٹ نے وزیر داخلہ کے توسط سے وزیر اعظم کو اس سلسلے میں مکتوب روانہ کیا تھا، لیکن 20 جولائی 2020ء کو مرکزی حکومت نے پارلیامنٹ میں بیان دیا کہ 2021ء کی مردم شماری ذات کی بنیاد پر نہیں ہوگی، پھر 23 اگست کو تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈران کی ملاقات وزیر اعلیٰ کی قیادت میں وزیر اعظم سے ہوئی، اس ملاقات میں بہار سے بی جے پی کے وزیر معدنیات جنک رام نے بھی نمائندگی کی تھی، لیکن وزیر اعظم اپنی جگہ اٹل رہے، اور انہوں نے بہار ہی نہیں مہاراشٹرا اسمبلی کی پاس شدہ تجویز کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ دستور میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

اس سے قبل 2010ء میں پارلیامنٹ میں ذات کی بنیاد پر مردم شماری کا سوال اٹھا تھا، اصولی طور پر حکومت نے اسے مان بھی لیا تھا، لیکن یہ مردم شماری معاشی طور پر کمزور طبقات کے حوالہ سے کرائی گئی جس کے اعداد وشمار آج تک عام نہیں کیئے گئے، وزیر اعظم نریندر مودی نے 2017ء میں روہنی کمیشن کی تشکیل کی، کمیشن نے پایا کہ دو ہزار چھ سو تینتیس (2633) پس ماندہ برادری میں سے ایک ہزار (1000) کو منڈل کمیشن کی سفارش کا فائدہ نہیں ملا ہے، اس کمیشن نے 27 فی صد رزرویشن کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

ذات کی بنیاد پر مردم شماری کا کام برانوے (92) سال قبل 1931ء میں ہوا تھا، اس کے مطابق ہندوستان میں اونچی ذات کے برہمن 2ء7، بھومی ہار 2ء9، کائستھ 1ء2 کل تیرہ (13) فی صد تھے، اوسط معیار کی آبادیوں میں یادو 11ء0، کوئری 4ء1، کرمی 3ء6، بنیا 0ء6 کل 19ء3 فی صد ہوا کرتے تھے، پس ماندہ برادری میں بڑھئی 1ء0، دھانک 1ء8، کہار 1ء7، کانو 1ء6، کمہار 1ء3، لوہار 1ء3، حجام 1ء6، تتوا 1ء6، ملاح 1ء6، تیلی 2ء8 فی صد تھے۔ ایک فی صد سے نیچے رہنے والی پس ماندہ برادری 16ء1، درج فہرست ذات 14ء1، درج فہرست قبائل 9ء1، مسلمان 12ء5، فی صد، اس فہرست میں درج ہوئے تھے، منڈل کمیشن نے ذات کی بنیاد پر مردم شماری نہیں کرائی تھی، البتہ ہندوستان کی مجموعی آبادی پس ماندہ طبقات کا تخمینہ باون (52) فی صد لگایا تھا، جسے 27 فی صد رزرویشن دیا گیا تھا۔

ذات پر مبنی مردم شماری اگر ایمانداری سے کی گئی اور کسی کے ساتھ بھید بھاؤ نہیں برتا گیا تو اس کا فائدہ پس ماندہ طبقات کو ہوگا، محروم طبقات کی پہچان ممکن ہوگی اور سرکاری منصوبوں کی تیاری میں اس سے مدد ملے گی، اور اگر سرکار کی یہ کوشش کامیاب ہوگئی تو بہار پورے ملک کے لیے رول ماڈل بن جائے گا، اور نتیش کے اس اعلان کو تقویت ملے گی کہ جو ہم پانچ سال قبل سوچتے ہیں، پورا ملک اس تک پانچ سال بعد پہونچتا ہے۔

یادوں کے چراغ

✍ : مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر – خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

دارالعلوم (وقف) دیوبند کے استاذ، نامور ادیب، بہترین صحافی، مشہور خاکہ نگار، مایہ ناز مضمون نگار، اچھے مقرر، خلیق وملنسار، خاندانی وراثت کے امین، مولانا نسیم اختر شاہ قیصر بن مولانا سید ازہر شاہ بن علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ کا ۱۱؍ستمبر ۲۰۲۲ء بروز سوموار شام کے ساڑھے پانچ بجے ان کے آبائی مکان واقع خانقاہ محلّہ دیوبند میں انتقال ہو گیا، کمر درد اور دوسرے اعذار تو پہلے ہی سے تھے، جس کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف تھی، لیکن یہ ایسی بیماری نہیں تھی کہ فوری بلاوے کے بارے میں سوچا جاتا، معمول کے مطابق عصر بعد ناشتہ وغیرہ کیا، بات چیت بھی کر رہے تھے، اچانک دل کے درد کی شکایت کی اور پانچ سے سات منٹ کے اندر بیماریِ دل نے ان کا کام تمام کر دیا، زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، شریعت کا حکم تدفین میں عجلت کا ہے؛ اس لیے وارثوں نے اس کا پورا پورا خیال رکھا اور گیارہ بجے رات میں جنازہ کی نماز معہد انور میں ان کے صاحب زادہ مفتی عبید انور استاذ معہد انور نے پڑھائی اور مزار انوری کے احاطہ میں جو دیوبند عیدگاہ کے پاس ہے، تدفین عمل میں آئی، اسی احاطہ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے ساتھ ان کے دونوں نامور صاحب زادے، مولانا ازہر شاہ قیصرؒ اور حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، ان کی اہلیہ اور خاندان کے دوسرے لوگ دفن ہیں، پس ماندگان میں اہلیہ، پانچ لڑکیاں اور تین لڑکوں کو چھوڑا، ایک عالم، مفتی، دوسرا انجینئر اور تیسرا ابھی زیر تعلیم ہے۔

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کی پیدائش ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۵؍اگست ۱۹۶۲ء کو دیوبند میں ہوئی، بنیادی دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کرنے کے بعد دیوبند ہی میں واقع اسلامیہ اسکول کا رخ کیا، لیکن دسویں کلاس تک پہونچتے پہونچتے عصری تعلیم سے طبیعت اوب گئی، چنانچہ انہوں نے دسویں کا امتحان نہیں دیا اور ۱۹۷۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر درس نظامی کی کتابیں پڑھنی شروع کیں ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا نصیر احمد خانؒ اور دیگر نامور اساتذہ سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھ کر سند فراغ حاصل کیا، جامعہ اردو علی گڈھ کا امتحان دے کر ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کی سند پائی، اس کا دورانیہ ۱۹۷۳ سے ۱۹۷۵ تک رہا، اس زمانہ میں مولانا اعجاز صاحب اسلامیہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، جامعہ اردو علی گڈھ کے امتحانات کا مرکز یہیں ہوا کرتا تھا، حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا ایک ادارہ دیوبند میں جامعہ دینیات تھا، اس کی اسناد بھی بعض یونیورسیٹیوں میں منظور تھیں، چنانچہ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر نے ۱۹۷۶ء میں ادھر کا رخ کیا، اور ۱۹۷۸ء تک تین سال میں عالم دینیات، ماہر دینیات اور فاضل دینیات کیا، ۱۹۹۰ء میں انہوں نے آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے کر لیا، ۱۹۸۷ء میں دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذ مقرر ہوئے اور دم واپسیں تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے، تدریس سے انہیں فطری مناسبت نہیں تھی، اس لیے عربی درجات کی ابتدائی کتابیں اور ترجمہ قرآن وغیرہ ان کی زیر درس رہا کرتی تھیں۔

ان کا اصلی مزاج صحافت کا تھا، جو انہیں اپنے نامور صحافی والد مولانا ازہر شاہ قیصر سے ورثہ میں ملا تھا، مولانا بتیس، تینتیس سال دارالعلوم دیوبند کے مدیر رہ چکے تھے، چنانچہ صحافت کے اسرار ورموز، موثر رپورٹنگ اور ہر قسم کے مضامین لکھنے کے طور طریقے انہوں نے اپنے والد سے سیکھا اور صرف تیرہ سال کی عمر میں پہلا مضمون لکھا، ۱۹۷۹ء میں وہ پندرہ روزہ اشاعت حق کے نائب مدیر بنائے گیے، ۱۹۸۵ء تک اس حیثیت سے کام کرنے کے بعد مدیر کی ذمہ داری سنبھالی اور ۱۹۹۶ء تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے، ۱۹۸۳ء میں انہوں نے ماہنامہ ’’طیب‘‘ جاری کیا، جس کی سر پرستی ان کے نامور والد فرماتے تھے، ماہنامہ ’’طیب‘‘ کے بند ہونے کے بعد دوبارہ پندرہ روزہ اشاعت حق کو اپنی خدمات دیں، لیکن ۱۹۹۳ء میں وہ بھی بند ہو گیا، زمانہ دراز تک وہ ماہنامہ ندائے دارالعلوم کی مجلس ادارت کے رکن رہے، ان کے مضامین ہندو پاک کے تمام مشہور وغیر مشہور رسائل وجرائد میں پابندی سے شائع ہوا کرتے تھے اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے پڑھے جاتے تھے، انہوں نے روزنامہ ہندوستان اکسپریس دہلی میں تین سال اور روزنامہ ہمارا سماج دہلی میں دو سال کالم نگاری کا بھی کام کیا، لیکن ان کو جو شہرت ملی وہ ان کی خاکہ نگاری تھی، ان کے خاکوں کے مجموعے میرے عہد کے لوگ، جانے پہچانے لوگ، خوشبو جیسے لوگ، اپنے لوگ، کیا ہوتے یہ لوگ خاصے مقبول ہوئے اور ہندوستان بھر کے ادباء نے ان کی خاکہ نگاری کو پسند کیا، ہندوستان کے خاکہ نگاروں کی مختصر سے مختصر فہرست تیار کی جائے گی تو ان کا نام اس میں ضرور شامل ہوگا۔

ان کی دوسری تصنیفات میں حرف تابندہ، خطبات شاہی، مقبول تقریریں، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم واقعات کے آئینے میں، میرے عہد کا دارالعلوم، دو گوہر آبدار، شیخ انظر: تاثرات ومشاہدات، اکابر کا اختصاصی پہلو، وہ قومیں جن پر عذاب آیا، اسلام اور ہمارے اعمال، اعمال صالحہ، اسلامی زندگی، اوراق شناشی کل بائیس کتابیں بشمول خاکوں کے مجموعے مشہور اور معروف ہیں، ان کے علاوہ ان کے ریڈیائی نشریات ہیں، انہوں نے مرکز نوائے قلم قائم کیا، جس میں طلبہ کو مضمون نویسی سکھائی جاتی تھی، دارالعلوم وقف میں جب شعبہ صحافت قائم کیا گیا تو وہ اس کے ذمہ دار قرار پائے۔

مولانا مرحوم ’’فقیری‘‘ میں ’’شاہی‘‘ کے قائل تھے، ان کے گھر میں آرائشی زیب وزینت کے سامان کم تھے، چٹائی پر سادگی کے ساتھ بیٹھ جانے میں ان کو تکلف نہیں تھا، سادہ زندگی گذارنے کے عادی تھے، ان کے یہاں لباس کا وہ رکھ رکھاؤ بھی نہیں تھا، جو ان کے چچا محترم اور چچازاد بھائیوں کا امتیاز تھا، ان کا مزاج شاہانہ اس وقت سامنے آتا، جب کوئی مہمان آجاتا، عمدہ قسم کی ضیافت کرتے، خواہش ہوتی کہ ان کے سامنے بہت کچھ پیش کریں، مزاج کا یہ شاہانہ پن ان کے مضامین اور کالموں میں بھی جھلکتا، نثر میں پر شکوہ الفاظ اور ادبی صنعتوں کا استعمال خوب کرتے، لیکن آمد ہی آمد ہوتی، پر تکلف آورد کا دور دور تک پتہ نہیں ہوتا، واقعہ یہ ہے کہ ان کی خوبصورت نثر قاری کو اس طرح گرفت میں لے لیتی ہے کہ وہ ان کا مداح اور کتاب ختم کیے بغیر آزاد ہو ہی نہیں سکتا۔

مولانا دور طالب علمی میں ہمارے ہم عصر تھے، درسی اعتبار سے ایک سال سینئر تھے اور سندی عمر کے اعتبار سے کم از کم مجھ سے چار سال بڑے، لیکن بے تکلفی کبھی نہیں رہی، مجھے ان کی قہقہہ زار مجلسوں میں باریابی کے مواقع بھی کم ہی ملے، البتہ ۱۹۸۰ء میں بعد نماز عصر سے مولانا ازہر شاہ قیصرؒ کے دربار میں مغرب تک میری حاضری ہوتی تو مولانا نسیم اختر شاہ قیصر بھی اس مجلس میں شریک رہتے، موقع عربی ششم کے سال میری پہلی تصنیف ’’فضلاء دارالعلوم اور ان کی قرآنی خدمات‘‘ پر تصحیح کا ہوتا، اس کتاب پر مقدمہ حضرت مولانا سید انظر شاہؒ نے لکھا تھا، اور پیش لفظ مولانا ریاست علی بجنوریؒ نے، لیکن طالب علمانہ تحریر کو حرفا حرفا پڑھ کر اصلاح کا کام مولانا مرحوم کے والد گرامی قدر نے کیا تھا، اور اس کے لیے کئی ہفتے تک عصر تا مغرب میری حاضری ہوتی رہی تھی، ظاہر ہے اس مجلس میں گھلنے ملنے اور مولانا کی بذلہ سنجی سے مستفیض ہونے کا کوئی موقع نہیں تھا، افتاء کے بعد بہار آ گیا تو دیوبند آنا جانا ہی کم ہو گیا اور بہت ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔

مولانا اب ہمارے درمیان نہیں ہیں، انہوں نے بڑی اچھی زندگی گذاری اور اچھی موت پائی، طاب حیا وطاب میتا، اسی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

کتابوں کی دنیا

✍ : ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

زندگی کا مزاج

جمال ندولوی (ولادت 1944) بن محمد نہال الدین مرحوم نثر نگاری اور شاعری دونوں سے جڑے رہے ہیں، لکھتے اور چھپتے رہے ہیں، شاعری میں انہیں متین عمادی، جماد الدین ساحل اور قوس صدیقی سے شرف تلمذ رہا ہے، قوس صدیقی کے شاگرد ہونے کے باوجود جمال ندولوی کے یہاں ساختیات اور تشکیلیات کے قبیل کے الفاظ نہیں پائے جاتے، وہ اپنے فکر وخیال کو اشعار میں ڈھالنے کے لیے روز مرہ کے مستعمل الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، جن سے معنی کی ترسیل کا کام بہتر اور عمدہ انداز میں ہوتا ہے۔

’’زندگی کا مزاج‘‘ ان کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے، اس کے قبل 2015ء میں ان کا پہلا مجموعہ کلام ’’کشکول صدا‘‘ کے نام سے آیا تھا، اس دوسرے مجموعہ کا نام ’’زندگی کا مزاج‘‘ غیر ادبی اور غیر شاعرانہ ہے، اس میں جاذبیت اور کشش نہیں ہے، اس کا نام رقص حیات، عکس خیال وغیرہ ہوتا تو قارئین کی توجہ زیادہ مبذول ہوتی، لیکن اب تو جمال ندولوی صاحب دنیا سے رخصت ہو چکے، اسے کون بدلے گا۔

جمال ندولوی کی شاعری پر ان کے استاذ متین عمادی نے لکھا ہے:

’’میں یہ نہیں کہتا کہ جمال ندولوی کا طرز سخن لاجواب ہے اور نہ یہ کہتا کہ ان کی شاعری بہت اعلیٰ درجہ کی ہے...... یہ بھی نہیں کہ ان کی شاعری کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ (کشکول صدا 4-5)

متین عمادی نے دوسرے مجموعہ کے زیادہ خوبصورت زیر اثر اور تخیلات کے دامن کے مزید وسیع ہونے کی توقع کا اظہار کیا تھا، اب ان کا یہ دوسرا مجموعہ طباعت کے مرحلہ میں ہے، جس کے لیے ان کے بڑے صاحبزادے نیر اعظم مدیر ومالک ہفتہ وار اخبار ’’آئینہ جمال‘‘ کوشاں ہیں، اللہ کرے اشاعت کے مراحل جلد طے ہو جائیں۔

’’زندگی کے مزاج‘‘ میں حمد، نعت، غزل، قطعہ، رخصتی نامہ، جمہوریت، آزادی، وطن سے محبت، متین عمادی اور جمیل مظہری کی شاعری پر نظمیں شامل ہیں، میرے سامنے جو مسودہ ہے اس میں غزل اور نظم کے حصوں کو الگ الگ نہیں کیا گیا ہے، کہیں نظم کے بعد غزل ہے اور کہیں غزل کے بعد نظم، چوں کہ کتاب طباعت کے مرحلے سے ابھی نہیں گذری ہے، اس لیے اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

حمد ونعت کے اشعار روایتی قسم کے ہیں، اللہ رسول کے بارے میں ایک مؤمن کا جو خیال ہونا چاہیے اس کی جلوہ گری حمد ونعت میں پائی جا رہی ہے، نعت کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جمال ندولوی نے اسے مناجات ہونے سے بچا لیا ہے، ورنہ عموما شعراء کے یہاں نعت کی ڈور مناجات سے مل جاتی ہے اور عقیدت ومحبت میں اس باریک فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا اور عبد ومعبود کا فرق جاتا رہتا ہے، جمال ندولوی نے اس فرق کو ملحوظ رکھ کر اچھی مثال قائم کی ہے۔

مجموعہ کی غزلیات میں بہت سارے اچھے اشعار ہیں، جن میں مذہبی افکار، عصری حسیت، عشق ومحبت کی داستان سبھی کچھ موجود ہے، اسلام میں عمل کا مدار نیتوں پر ہے، خلوص عمل کے مقبول ہونے اور ریا عمل کے مردود ہونے کا سبب بنتا ہے، جمال نے اس حقیقت کو غزل کے ایک شعر میں بیان کیا

خلوص دل ہو گر شامل عمل مقبول ہوتا ہے
ریا کا جس پر غلبہ ہو عمل بے کار جاتا ہے

اسی غزل میں حقیقت پر مبنی یہ شعر بھی پڑھ لیجئے:

مسلسل ایک حالت پر کبھی رہتی نہیں دنیا
ہمیشہ جیتنے والا بھی اک دن ہار جاتا ہے

ہندوستان کے موجودہ حالت کی عکاسی اسی غزل کے ایک اور شعر میں ملتی ہے۔

کسی کی جھوٹی سچی سب دلیلیں رنگ لاتی ہیں
ہمارا خون بھی بہہ جائے تو بے کار جاتا ہے

جس غزل سے اس مجموعہ کا نام مقرر کیا گیا ہے، اس کے چند اشعار قلب وذہن کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہیں کہ اب دوست بھی قابل اعتماد نہیں رہے، اس دور میں جب دوست ہی گھر سے بلا کر دوست کو قتل کر دیتے ہیں، جمال ندولوی کے اس شعر کی سچائی کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔

سارے چہرے لہولہان ملے   کتنا زخمی ہے دوستی کا مزاج

جمال کہتے ہیں کہ حالات جیسے بھی ہوں، ہم تو مؤمن ہیں اور مؤمن کا مزاج بندگی کا ہوتا ہے اور وہ بھی صرف خدا کی بندگی کا اس لیے اس کا سر کہیں دوسری جگہ جھک ہی نہیں سکتا۔ (بقیہ صفحہ ۱۴؍پر)

حکایات اہل دل

✍ : مولانا رضوان احمد ندوی

حضرت علیؓ کا تقویٰ

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کی مسند پر جلوہ گر ہیں، پوری سلطنت کا سیاہ وسفید ان کے قبضہ قدرت میں ہے، ان کے محبوب چچازاد بھائی عقیل حاضر ہوتے ہیں اور اپنی ناداری وافلاس کی داستان بیان کرکے امداد کی درخواست کرتے ہیں، امیر المؤمنینؓ نے فرمایا: ''عقیل! تھوڑا صبر کرو، مسلمانوں کے لئے مال آئے گا تو دوسروں کے ساتھ تمہیں بھی حصہ مل جائے گا''۔ ''مگر امیر المومنین! مجھے اس وقت ضرورت ہے، میں مجبور ہوکر حاضر ہوا ہوں''۔ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو آواز دی اور فرمایا: ''دیکھو عقیل کو بازار لے جاؤ اور ان سے کہو کہ جس دوکان کو چاہو، اس کے اندر جو کچھ ہے لے لو''۔ امیر المؤمنین آپ غلط کام کرنے پر آمادہ فرمارہے ہیں'' حضرت عقیل نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! تم مجھے آمادہ کرنا چاہتے ہو کہ میں مسلمانوں کا مال تمہیں دیدوں'' امیر المومنین نے برجستہ جواب دیا، پھر حضرت عقیل شرمندہ ہوگئے، اس طرح حضرت علیؓ نے بیت المال کی حفاظت کی۔

اسلامی احکام

حمص کے لوگوں کا ایک وفد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ: ''آپ کے گورنر سعید بن عامر اپنے فرائض میں سخت کوتاہی کررہے ہیں''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''وہ کیا کرتے ہیں؟ تفصیل سے بتاؤ تاکہ باز پرس کی جائے''۔ ''اول یہ کہ جب تک اچھا خاصا دن نہیں چڑھ آتا، وہ گھر سے باہر نہیں آتے، دوسرے، رات کو اگر ان کو آواز دی جائے تو جواب نہیں دیتے اور تیسرے یہ کہ مہینے میں ایک دن تو بالکل گھر سے باہر نہیں نکلتے'' وفد نے عرض کیا۔ ''یہ تو بڑی سنگین شکایتیں ہیں، مجھے سعید بن عامر جیسے فرض شناس شخص تھے، اس کی توقع نہیں تھی، اچھا، انہیں بلواؤ، تاکہ ان سے جواب طلبی کی جائے''۔ امیر المؤمنین نے حکم دیا۔ سعید بن عامر حاضر ہوگئے، امیر المومنین نے وفد کے لوگوں سے فرمایا: ''دیکھو، یہ سعید بن عامر ہیں، ان کے خلاف تمہیں جو شکایات ہیں ان کے سامنے دہراؤ''۔ وفد نے بلاکم وکاست شکایات دہرادیں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: ''سعید! تمہارے پاس کیا جواب ہے؟'' ''امیر المؤمنین! یہ میرے اور میرے خدا کے درمیان ایک راز تھا جس کا تذکرہ مجھے پسند نہیں تھا، لیکن اب مجبوری ہے'' سعید نے آزردہ خاطر ہوکر کہا اور شکایتوں کے جواب میں عرض کیا: ''امیر المؤمنین! بات یہ ہے کہ میں نے دن لوگوں کی خدمت کے لئے وقف کیا ہے اور رات اپنے پروردگار کے لئے، رات آتی ہے، تو بندوں کی خدمت سے فارغ ہوکر نماز عشاء کے بعد گھر چلا جاتا ہوں اور اپنے رب کے حضور کھڑا ہوجاتا ہوں، اس لئے اگر کوئی شخص رات کو مجھے پکارتا ہے، تو میں جواب نہیں دیتا''۔

حضرت عمرؓ کا چہرہ فرطِ تاثر سے تمتمانے لگا، سعید بن عامر کہتے چلے گئے: ''امیر المؤمنین: میرے گھر میں ملازم نہیں ہے جو گھر کے کاموں میں مجھے اور میری بیوی کا ہاتھ بٹائے، بیوی تمام کام تنہا نہیں کرسکتی، میں صبح کی نماز کے بعد گھر جاتا ہوں، تو آٹا گوندھتا ہوں اور روٹی پکاتا ہوں، پھر ہاتھ منہ دھوکر لوگوں کی خدمت کے لئے باہر آتا ہوں، اس وجہ سے مجھے گھر سے باہر نکلنے میں دیر ہوجاتی ہے''۔ ''اور تیسری شکایت کے متعلق تمہارا کیا جواب ہے؟'' امیر المؤمنین نے حیرت سے پوچھا۔ ''امیر المؤمنین! میرے پاس کپڑوں کا یہی جوڑا ہے، جو میں پہنے ہوئے ہوں، جب میلے ہوجاتے ہیں، تو میں ان کو اتارتا ہوں اور خود ہی دھوتا ہوں اور جب سوکھ جاتے ہیں تو پہن کر باہر نکل آتا ہوں اور اس روز سارا دن گھر کے اندر رہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا اور وہ بولے: ''اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے کارِ خلافت سرانجام دینے کے لئے مجھے ایسے لوگ عطا فرمائے ہیں''۔ پھر سعید بن عامر سے کہا: ''سعید! میں نے تمہارے بارے میں شکایات سن کر کوئی برا خیال نہیں کیا تھا، مجھے یقین تھا کہ ان امور کی کوئی معقول وجہ ہوگی''۔

خدمت خلق کی نادر مثال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کے گورنر سعید بن عامر کو ایک ہزار دینار بھیجے کہ اس رقم سے اپنی ضرورتوں کو پورا کریں، کیونکہ ان کے پاس نہ کافی کپڑے تھے اور نہ گھر کا کام کاج کرنے کے لئے کوئی خادم۔ ان کی پیکرِ خدمت ووفا بیوی نے دینار دیکھے تو قدرتی طور پر خوش ہوئیں اور اپنے خاوند سے کہا: ''یہ بہت اچھا ہوا، اس سے ہم ایک غلام خرید لیں گے تاکہ گھر کے کام کاج سے کچھ فراغت ملے''۔ ''مگر اے رفیقہ! میں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟'' حضرت سعید نے اپنی بیوی سے کہا: ''کیوں نہیں، اگر اس سے بہتر چیز ہو، تو اس پر رقم کو صرف کردینا زیادہ بہتر ہوگا'' ان کی رفیقۂ حیات نے جواب دیا۔ حضرت سعید نے کہا: ''تو آؤ یہ دینار ایسے لوگوں کی خدمت پر صرف کردیں جو ہم سے زیادہ محتاج اور پریشان حال ہیں''۔ یہ سن کر بیوی نے جواب دیا: ''ہاں، یہ تو بہت اچھی بات ہے''۔ پھر دیناروں کو الگ الگ پوٹلیوں میں باندھا اور مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم کردیا۔

جہاد میں خواتین کا حصہ

قادسیہ کی مشہور جنگ ۱۴ھ میں لڑی گئی، اس جنگ نے ایران کی قسمت کا فیصلہ کردیا، ایرانی اس معرکے کے لئے اپنی پوری فوجی قوت میدان میں لے آئے تھے، مسلمان تیس ہزار سے زائد نہ تھے، مگر ایران کے ایک لاکھ جنگی جوان تخت یا تختہ کا فیصلہ کرکے اسلام کی جنگی طاقت کے سامنے صف آراستہ تھے، ایران کے سب سے زیادہ تجربہ کار جرنیل کمان کر رہے تھے، ایرانی فوجیں اپنی سرزمین میں تھیں اور مسلمان ہزاروں میل اپنے مرزبوم سے دور، ایرانی فوجیں بہترین جنگی سامان سے لیس تھیں اور مسلمان افواج اس پہلو سے فروتر تھیں۔

جب جنگ کا آغاز ہوا، تو ایرانی فوجوں کا پلہ بھاری دکھائی دے رہا تھا، لیکن شام ہوتے ہوتے پانسہ پلٹ چکا تھا، ایرانی قوت کی کمر توڑ دی گئی تھیں، تقدیر الٰہی اس فیصلے کا اعلان کرچکی تھی کہ اس سرزمین پر اب ہمیشہ اسلام سربلند رہے گا مگر یہ فیصلہ صرف مردانِ غازی کی قوت بازو کا رہینِ منت نہیں تھا، اس میں خواتین نے بھی اپنا حق ادا کردیا تھا۔

قبیلہ نخع کی ایک ضعیف العمر خاتون اپنے جگر گوشوں کے ہمراہ موجود تھی، جب گھمسان کا رن پڑا، تو وہ شیرنی کی طرح بپھر کر اٹھی اور اس نے اپنے بیٹوں کے سامنے عربی خطابت کی تیغ بے زنہار استعمال کرتے ہوئے کہا: ''میرے جگر گوشو! تم کفر وشرک سے تائب ہوکر اسلام لائے اور پھر اس پر استقامت کے ساتھ جم گئے، تم نے ہجرت کی اور کسی نے تمہیں ملامت نہ کی، تمہارا وطن ناموافق تھا، مگر تم پر یہ قحط کی وبا نہ پڑی، تم خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے اور اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ہمراہ لائے اور اہل فارس کے سامنے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک باپ کی اولاد ہو، تمہاری ماں نے نہ تمہارے باپ کی خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، جاؤ اول سے آخر تک لڑو''۔ بوڑھی خاتون کے جواں ہمت بیٹے پیکر شجاعت بن کر کفار پر پل پڑے، ماں نے انہیں دشمنوں کے سمندر میں شناوری کرتے دیکھا، تو کہا: ''اے خدا ان کی حفاظت کرنا'' پھر وہ جنگ کے گرد وغبار میں گم ہوگئے۔

جب جنگ کا خاتمہ ہوا اور ایرانی لشکر ہزیمت کھا کر بھاگ نکلا تو یہ نوجوان غازی بھی واپس آئے، وہ اپنی ماں کی دعا کی برکت سے محفوظ ومامون رہے تھے۔

ننھے منے کو وحدانیت سکھایئے...

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ آج بھی قطب مینار کے قریب لیٹے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں بھی مشہور واقعہ ہے، ان کے نام کے ساتھ قطب الدین بختیار ''کاکی'' کا لفظ لگایا جاتا ہے، یہ ہندی لفظ ہے، اس کا معنی روٹی، واقعہ یہ ہوا کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کے والدین بیٹھے ہوئے آپس میں مشورہ کررہے تھے، ہمارا بیٹا نیک کیسے بنے؟ چنانچہ ان کی ماں نے کہا میرے ذہن میں ایک تجویز ہے، کل سے میں تجویز عمل کروں گی، اگلے دن جب بچہ مدرسہ میں چلا گیا، ماں نے کھانا بنایا اور الماری میں کہیں چھپا کر رکھدیا، بچہ آیا کہنے لگا امی بھوک لگی ہے، مجھے کھانا دیجئے، ماں نے کہا بیٹا! ہمیں بھی تو کھانا اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، وہی رزاق ہیں، وہی رزق پہونچاتے ہیں، وہی مالک وخالق ہیں، ماں نے اللہ رب العزت کا تعارف کروایا اور کہا کہ بیٹا تمہارا رزق بھی وہی بھیجتے ہیں، تم اللہ سے مانگو بیٹے نے کہا: امی میں کیسے مانگوں؟ ماں نے کہا، بیٹا مصلی بچھاؤ، چنانچہ مصلیٰ بچھا دیا، بیٹا التحیات کی شکل میں بیٹھ گیا، چھوٹے چھوٹے معصوم ہاتھ اٹھائے، ماں نے کہا بیٹا دعا کرو، بیٹا دعا کررہا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں مدرسہ سے آیا ہوں، بھوک لگی ہے، اللہ مجھے کھانا دیدیجئے، بیٹے نے تھوڑی دیر اس طرح عاجزی کی، پوچھنے لگا امی اب کیا کروں؟ ماں نے کہا: بیٹا، تم ڈھونڈو، اللہ نے کھانا بھیج دیا ہوگا، تھوڑی دیر کمرے میں ڈھونڈا بالآخر الماری میں کھانا مل گیا، بیٹے نے کھانا کھایا، اب بیٹے کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا، وہ روز اللہ تعالیٰ کی باتیں پوچھتا، امی وہ سب کو کھانا دیتے ہیں، پرندوں کو بھی، حیوانوں کو بھی، پتہ نہیں اس کے پاس کتنے خزانے ہیں؟ وہ ختم نہیں ہوتے وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا، ماں کا دل خوش ہوتا کہ بیٹے کے دل میں اللہ رب العزت کا تعلق بڑھ رہا ہے، چنانچہ جب بچہ محسوس کرتا، سب کو اللہ تعالیٰ رزق دے رہے ہیں تو محسن کے ساتھ محبت تو فطری چیز ہے، بچہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگئی، وہ محبت سے اللہ تعالیٰ کا نام لیتا وہ سونے سے پہلے والدہ سے اللہ تعالیٰ کی باتیں پوچھتا، ماں خوش ہوتیں، کہ میرے بیٹے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت رچ بس رہی ہے۔

کچھ دن تک سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، مگر ایک دن یہ ہوا کہ ماں اپنے رشتہ داروں میں کسی تقریب میں چلی گئی اور وہاں جاکر وہ وقت کا خیال نہ رکھ سکیں، بھول گئیں، جب خیال آیا تو پتہ چلا کہ بچہ کے آنے کا وقت کافی دیر ہوئی، گذر چکا ہے، ماں نے برقعہ لیا اور اپنے گھر کی طرف تیز قدموں سے چلدیں راستہ میں روبھی رہی ہے، دعائیں بھی کررہی ہیں، میرے مالک میں نے تو اپنے بچہ کا یقین بنانے کے لئے یہ سارا معاملہ کیا تھا، اے اللہ! اگر آج میرے بچے کا یقین ٹوٹ گیا تو میری محنت ضائع ہوجائے گی، اے اللہ! پردہ رکھ لینا، اللہ میری محنت کو ضائع ہونے سے بچالینا، ماں دعائیں کرتی آرہی ہیں، جب گھر پہونچی تو دیکتی ہے کہ بیٹا آرام کی نیند سورہا ہے، ماں نے جلدی سے کھانا پکایا اور چھپا کر رکھ دیا، پھر آکر بچہ کے رخسار کا بوسہ لیا، اسے جگا کر سینہ سے لگایا، کہنے لگی بیٹے آج تو تجھے بہت بھوک لگی ہوگی، بچہ ہشاش بشاش بیٹھ گیا، کہنے لگا کہ امی مجھے تو بھوک نہیں لگی، ماں نے پوچھا وہ کیسے؟ تو بچہ نے کہا، امی جب میں مدرسہ سے آیا تو میں نے مصلیٰ بچھایا اور میں نے دعا مانگی، اے اللہ! بھوک لگی ہوئی ہے، تھکا ہوا بھی ہوں، آج تو امی بھی گھر پر نہیں ہے، اللہ مجھے کھانا دیدو، امی اس کے بعد میں نے کمرے میں تلاش کیا، مجھے ایک جگہ روٹی پڑی ملی، امی میں نے اسے کھالیا، مگر جو مزہ مجھے آج آیا، مجھے زندگی میں کبھی نہیں آیا تھا، سبحان اللہ، مائیں بچوں کی تربیت ایسا کیا کرتی تھیں اور اللہ رب العزت ان کو پھر قطب الدین بختیار کاکی بنادیتے تھے، چنانچہ یہ مغل بادشاہوں کے شیخ بنے اور اپنے وقت میں لاکھوں انسان ان کے مرید بنے تو ایک اور کامیاب شخصیت کے پیچھے آپ کو عورت کا کردار ماں کی شکل میں نظر آئے گا، یہ مثال اتنی زیادہ کہ انسان حیران ہی ہوجاتا ہے۔

شیخ جیلانیؒ پر شیطان کا داؤ نہ چل سکا

ایک مرتبہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جنگل میں مراقبہ کررہے تھے، اچانک ایک نور ظاہر ہوا جس نے ماحول کو منور کرکے رکھ دیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ متوجہ ہوئے تو آواز آئی، اے عبدالقادر جیلانی! ہم تیری عبادت سے اتنے خوش ہیں کہ ہم نے تم سے قلم اٹھالیا، اب تو جو چاہے کر، تیرے گناہ تیرے نامہ اعمال میں نہیں لکھے جائیں گے، جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یہ بات سنی تو آپ نے اس بات کو قرآن اور حدیث پر پیش کیا جو سچے گواہ ہیں، ایک آیت سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ'' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ عبادت کرتے رہیئے، کرتے رہیئے حتی کہ آپ اسی حال میں دنیا سے پردہ فرماجائیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے سوچا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے۔ پھر عبدالقادر جیلانیؒ کی یہ مجال کہاں کہ اس سے قلم ہٹالیا جائے، لہٰذا سمجھ گئے کہ یہ تو شیطان کا چکر ہے، انہوں نے فوراً پڑھا: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' یہ کلمات شیطان کے لئے توپ کے گولے کی طرح ہیں، چنانچہ جب یہ گولہ لگا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا، مگر بھاگتے ہوئے دوسرا فائر کرگیا، کیونکہ وہ بڑا خطرناک دشمن ہے، کہنے لگا، عبدالقادر جیلانی! میں نے اپنے اس حربے سے ہزاروں اولیاء کو دھوکے دیئے مگر تو اپنے علم کی وجہ سے بچ گیا، آپؒ نے پھر فرمایا: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کہ او مردود! میں نے اپنے علم کی وجہ سے نہیں بچا، بلکہ میں اپنے پروردگار کے فضل کی وجہ سے بچا ہوں۔

موجودہ حالات اور مسلمان

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی

عصر حاضر میں مسلمانوں کو خیرامت کی حیثیت سے مٹانے کی سازش ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، اسلام کے دور اول میں بھی یہودیت کے زیر سایہ اس طرح کے واقعات پیش آئے، اور بعد کی صدیوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، پانچویں صدی ہجری میں صلیبی جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا، صلیبیوں نے عالم اسلام پر قبضہ کرنے اور امت مسلمہ کو فنا کے گھاٹ اتار دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے بہادر اور جان باز حکمرانوں کو حملہ آور صلیبیوں سے مقابلہ کرنے اور ان کو شکست فاش دے کر عالم اسلام سے نکالنے کی ہمت وطاقت عطا فرمائی، انہوں نے بیت المقدس کو ان کے قبضے سے آزاد کرا کے تاریخ اسلام میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا۔

لیکن ساتویں صدی ہجری میں پھر مسلمانوں کو ایک سخت فتنے سے دوچار ہونا پڑا، اور وہ تھا تاتاریوں کا فتنہ، عالم اسلام پر ان کی یورش اور قتل وخون ریزی کی گرم بازاری، تاریخ ان کے سیاہ کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر اسی حملہ آور قوم کے ایک حکمراں کے دل میں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، اور شیخ جمال الدین نامی ایک بزرگ عالم دین کی اس کے دربار تک رسائی ہوئی، اور ان کے اثر سے یہ قوم اسلام کی نعمت سے نہ صرف یہ کہ سرفراز ہوئی بلکہ داعی اسلام بن کر ابھری۔

یہ دونوں واقعے مسلمانوں کو منصب قیادت سے ہمیشہ کے لئے محروم کرنے کی سازش کا ایک اہم حصہ تھے، لیکن یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں برابر جاری رہا، اور امت مسلمہ اس طرح کے فتنوں اور آمائشوں سے ہمیشہ دوچار رہی، اور ہر زمانے میں اس صورت حال کا احساس علمائے دین اور داعیان اسلام پر چھایا رہا، اور اس کے نتیجہ میں امت کی اصلاح وتربیت اور اس کو اپنے منصب پر واپس لانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد بھی ہوتی رہی، اور جب بھی مخالفین کی طرف سے امت کو فرداً یا جماعۃً اپنے منصب سے محروم کرنے کے لئے نہایت سنجیدگی اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کوششیں شروع ہوئیں تو داعیان اسلام کے دلوں میں امت کے تعلق سے بے چینی لاحق ہوئی، اور انہوں نے مسلمانوں کو موجودہ فتنوں اور آنے والی آزمائشوں سے آگاہ کرنے کی ہرممکن کوشش کی، اور ان کو اپنے حقیقی منصب کی طرف لوٹنے کی تلقین کرکے اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے انجام دینے کا ثبوت پیش کیا، اللہ تعالیٰ اپنے ان مؤمن بندوں کے بارے میں فرماتے ہیں: انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللّٰہ و رسولہ، ثم لم یرتابوا و جاھدوا بأموالھم و أنفسھم فی سبیل اللّٰہ أولٰئک ھم الصادقون (سورہ حجرات:15)''ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے، وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے''۔

11ر ستمبر 2001ء کو امریکہ میں پیش آنے والے واقعہ نے ثابت کردیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کا انداز اب بدل گیا ہے اور اس کے لئے نہایت باریک بینی اور ہوشیاری کے ساتھ منصوبہ کی جاتی ہے، اور یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش ہے کہ اسلام ایک دہشت گردانہ مذہب ہے، اور مسلمان اس دہشت گردی کے علم بردار ہیں، لہٰذا ایسے مذہب کو اور اس کے ماننے والوں کو اس ترقی یافتہ جدید اور ٹکنالوجی کے دور میں باقی رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ الزام بھی اپنی اہمیت کھو چکا اور اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک کے لوگوں کا رجحان بہت زیادہ بڑھا، اور قرآن کریم کو براہ راست پڑھ کر ان کے دلوں میں اسلام قبول کرنے کا جذبہ بیدار ہوا، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا، جب کہ یہ سارا مخالفانہ عمل اسلام سے متنفر کرنے اور اس کے متبعین کو برگشتہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند رکھا، اور آج صورت حال یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہورہا ہے۔

اسی کے ساتھ ہمیں اس حقیت کا اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے کہ آج امت مسلمہ کے افراد میں صحیح اسلامی روح کی بڑی کمی ہے، اسلامی زندگی میں انحطاط اور اخلاقی زوال کا تناسب بہت زیادہ بڑھ چکا ہے، اس لئے ہمارے مذہبی تشخص کا نمونہ لوگوں تک پہونچنے میں دشواری پیش آرہی ہے اور ہم اپنی وہ شان امتیازی دینا کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: یا أیھا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللّٰہ یجعل کم فرقانا و یکفر عنکم سیئاتکم و یغفر لکم واللہ ذو الفضل العظیم (سورۂ انفال:29)''اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہوگے اللہ سے، تو کردے گا تم میں شان امتیازی (دوسروں کے مقابلے میں)، اور دور کردے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید فرماتے ہوئے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری انجام دیتے رہوگے، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر کوئی عقاب (آزمائش) بھیج دے کہ پھر تمہاری دعائیں بھی قبول نہ کی جائیں''۔

شاید کہ نوجواں وقت کے ساتھ کچھ زیادہ ہی بدل گئے

قیصر محمود عراقی

گردشِ زندگی کی کچھ ساعتیں انسان کو کبھی کبھی یا تو یکسر تبدیل کردیتی ہیں، یا پھر کچھ ایسا ڈھنگ چھوڑ جاتی ہیں کہ وہ عمر بھر کے لئے انسان کو اس ضمن میں ایک طرف سے دوسری طرف دھکیلتا رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی بھی ملک یا معاشرے میں نوجوان ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، نوجوان معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہوتے ہیں جو معاشرے کی ترقی یا پستی میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

میرا آج کا موضوع ہماری معاشرتی زندگی اور نوجوان نسل کی سوچ کے لئے ایک پیغام ہے۔ جس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ آج اگر ہم نے خود کو نہ بدلا تو شاید وقت کبھی ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ اپنی ذات کے بارے میں بُرا کہنا کسی کو اچھا نہیں لگتا مگر سچ کے لئے کبھی کبھی خود کا احتساب کرنا ضروری ہوتا ہے۔ گزشتہ کچھ دہائیوں سے جہاں پوری دنیا بدل رہی ہے وہاں ہم بھی بدلے اور ہماری سوچ بھی بدلی، وقت کے ساتھ تبدیلی اچھی لگتی مگر شاید ہم کچھ زیادہ ہی بدل گئے۔ بالخصوص ہمارے نوجوان اس میدان میں سب سے آگے ہیں۔ جدید ٹکنالوجی نے ہمیں اتنا عادی بنادیا ہے کہ اس کے بغیر رہنا ناممکن سا لگتا ہے۔ جدید موبائل فون، لیپ ٹاپ ہماری روزمرہ زندگی کا بہت اہم حصہ بن گئے ہیں اور اس کے بغیر شاید آج کے نوجوانوں کی زندگی ادھوری سی لگتی ہے، ہر طرف جدید ٹکنالوجی کی بھرمار ہے جسے دیکھیں وہ نت نئی چیزوں کا دیوانہ بنا پھرتا ہے، فیس بک، واٹس ایپ اور ٹویٹر کے بنا شاید ہم جی ہی نہیں سکتے۔ ہمارا کھانا پینا بھی یہی ہے اوڑھنا بچھونا بھی یہی ہے، ہماری نوجوان نسل سے اگر کہا جائے کہ اس کو کم استعمال کیا کریں تو جواب ملتا ہے کہ کیوں؟ ہم کوئی بیک ورڈ ہیں یا ہم دنیا کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں، ہم وقت اور حالات کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو اس لئے عجیب لگتا ہے۔ کیا ان چیزوں کے بغیر ترقی نہیں کی جاسکتی؟ کیا ان کے بغیر حالات کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا؟ ذرا سوچیں کہ جب سے ان چیزوں کا استعمال زیادہ ہوا ہے، اس کے بعد سے ہم نے یا ہماری قوم نے کیا کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

ہم ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ دنیا ٹیکنالوجی میں ہم سے آگے نکل گئی ہے اور ہمیں بھی دنیا کے ساتھ چلنا ہے تو عجیب لگتی ہے یہ بات کہ ہم اور کے ساتھ چلنے کے لئے اپنی چال ہی بھول گئے ہیں، مجھے کوئی نوجوان یہ بتائے گا کہ آج علامہ اقبال جیسا شاعر کیوں نہیں پیدا ہوتا؟ آج مہاتما گاندھی جیسا لیڈر کیوں نہیں پیدا ہوتا؟، آج منٹو، شیکسپیر اور ملٹن جیسے نامور لوگ کیوں نہیں بن رہے ہیں؟ کوئی جواب ان کے پاس۔ بات یہ نہیں کہ آج اللہ تعالیٰ نے لائق لوگ پیدا کرنے بند کردیئے ہیں، بلکہ آج سوچ فیس بک اور واٹس ایپ سے آگے جاتی ہی نہیں۔ ہمارا نوجوان یہ کہتا ہے کہ اگر وہ آج کے جدید دور کے مطابق زندگی نہ گذارے تو شرمندگی ہوتی ہے، دنیا طعنے دیتی ہے کہ پرانے زمانے میں جی رہے ہو۔

میں اپنے قوم کے نوجوانوں سے یہ سوال پوچھتا ہوں کہ ہمارے قوم میں کیا کوئی ایک نوجوان بھی نہیں جو اولمپک میں گولڈ میڈل اپنے سینے پر سجا سکے، کیا کوئی ایک نوجوان ہے جو فٹ بال ولڈ کپ کی ٹرافی ہاتھ پر اُٹھا سکے، کیا کوئی ایسا نوجوان نہیں جو دنیا کو ٹیکنالوجی میں طب میں، سائنس میں ایسی ایجاد دے سکے کہ ہماری قوم کا ہر شخص فخر کے ساتھ سر اُٹھا کر جی سکے۔ اس وقت ہماری غیرت کہاں جاتی ہے؟ جب ہم آخری پوزیشن لے کر واپس آتے ہیں، اس وقت ہم کون سے زمانے میں جی رہے ہوتے ہیں؟ ہم نے کیا سیکھا؟ فیس بک سے کیا سیکھا؟ انٹرنیٹ سے ٹیکنالوجی سے کیا سیکھا؟ عالم تو یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے ہمارے ایک ہاتھ میں موبائل یا لیپ ٹاپ ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں نوالہ۔ بڑوں سے بات کرتے ہوئے گردن ہل رہی ہوتی ہے اور نظر موبائل پر، اوپر سے رہی سہی کسر ہماری ٹی وی چینل نے نکال دی ہیں، ہر وقت غیر سنجیدہ، ہنسی مذاق اور بے ہودہ پروگرام بے مقصد ہنسنا اور ہنسانا ہمارا شیوہ بن گیا ہے، پڑھے لکھے اور شعور رکھنے والے لوگ اسکرین پر آکر صرف فضول باتیں کریں گے، اور بے ہودہ پروگرامز کی بھرمار اور اس کے بعد انداز بیاں اور شوخی کے کیا کہنے کہ پھولے نہ سمائے جارہے ہوں کہ جیسے نیوٹن نے کوئی نیا قانون دریافت کرلیا ہو۔ کہاں گیا وہ کردار؟ کہاں گئی وہ غیرت؟ کہاں گیا وہ رواج جو ہمیں عزت اور غیرت کا درس دیتا تھا؟ ہم کیوں نہیں بدل رہے؟ ہماری تعلیم ہمیں کیا دے رہی ہے؟ کہیں یہ بھی تو میڈیا کے زیر اثر نہیں؟

افسوس ہم نے خود کو اور زندگی کو ایک مذاق بنالیا ہے۔ یقین مانیں کہ کسی کا نماز جنازہ تک پڑھتے ہوئے، ہم ہنس رہے ہوتے ہیں، کوئی اچھی بات بتائی جارہی ہو تو ہم ہنس رہے ہوتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ہم اذان کے دوران بھی ہنس رہے ہوتے ہیں جبکہ ہمیں اذان سن کر دہرانے کے لئے کہا گیا ہے۔ کیا اسی لئے ہم اس دنیا میں آئے تھے کہ دوسروں کا مذاق اُڑا سکیں اور خود ایک مذاق بن سکیں، حالانکہ اس وقت ملک حالتِ جنگ میں ہے اور ہم اس سے نکلنے کے لئے کچھ بھی نہیں کررہے۔ یہ بات ہماری پوری قوم کے لئے غور وفکر کی دعوت دے رہی ہے، کہ ہم نے اپنی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے، ہماری تہذیب وثقافت کیا تھی اور ہم کیا ہیں، ہمارے قلم کار لکھتے تو بہت اچھا ہیں مگر کیوں ان کی تحریروں میں اتنی طاقت نہیں کہ ہماری نوجوان نسل کو اپنے اصل راستہ پر لایا جاسکے میڈیا، اور جدید ٹیکنالوجی نے ہمیں وہ کچھ دیا جن کی ہمیں ضرورت نہیں تھی، لیکن آج کے نوجوانوں کے لئے یہ ایک ضرورت بن گئی ہے، گھنٹوں بیٹھ کر فیس بک اور موبائل استعمال کرنے والوں کے پاس اتنا وقت کہاں کہ کسی پڑوسن کا حال پوچھ سکیں، کسی بیمار کا حال جان سکیں، کوئی اچھی کتاب کا مطالعہ کرسکیں۔ کہاں سے لاؤں وہ طرز معاشرت جو کہہ سکے کہ ہم وہ نہیں جو ہم تھے، ہمیں وہ ہونا ہے جو ہم کبھی ہوا کرتے تھے۔

بہرحال نوجوانوں کو اس پستی سے نکلنے کے لئے خود کو بدلنا ہوگا اور اس کے لئے ہماری پہچان ہمارا مذہب ہے، ہماری روایت ہے، ہماری ثقافت ہے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ہمارا فخر ہمارا غرور اس جھوٹی شان وشوکت میں نہیں، اس غلط راستے پر نہیں بلکہ ان اقدار میں ہے جس کے رکھوالے ہم ہیں، جس تہذیب کے ہم علمبردار ہیں اور جو ہماری پہچان ہے۔

غیرمسلموں سے تجارتی تعلقات……شرعی رہنمائی

ابوالحسن ارشد کاندھلوی

تجارت اور کاروبار انسانی ضرورت ہے دنیا میں ہر انسان کو بہت سی ضروریات پیش آتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل از خود انجام دے بلکہ اکثر و بیشتر موقعوں پر وہ اپنی ضرورت کی چیز دوسرے افراد سے ہی حاصل کر پاتا ہے، اور یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے اسی طرح رائج ہے مگر جب اسلام آیا تو اس نے مسلمانوں کے لئے نیا نظام مقرر فرمایا، اور مسلمانوں کو ایک واضح دستور دیا جس میں مسلمانوں کی مکمل معاشرت اور معیشت وغیرہ کے تمام احکام کو واضح فرما دیا گیا تو معیشت کے متعلق بھی کچھ اصول مرتب کئے کہ ان پر نہ تو مسلمان چلے، نہ ان کی کسی قسم کی اعانت کرے گا۔ مثلاً سودی کاروبار، شراب کی تجارت وغیرہ اور مسلمان ان اصولوں پر عمل کرتا بھی ہے لیکن دوسری قومیں نہ تو ان اصولوں کو مانتی ہیں اور نہ ان پر عمل پیرا ہیں تو، اب اس صورت میں مسلمان کیا کرے؟ کیا اپنا بازار بالکل علیحدہ قائم کرے؟ جو ممکن نہیں، یا انسانی ضرورتوں کی وہ اشیاء، جو غیر مسلمین سے حاصل ہوتی ہوں ان سے دستبردار ہو جائے؟ یہ بھی مشکل ترین کام ہے پھر؟؟؟…… کچھ نہیں، بس ذرا اسلامی اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلم کے ساتھ کاروبار کرنا اور ان سے خریدنا اور ان کو بیچنا اور ان کے کام میں شرکت کرنا سبھی کچھ جائز ہے، البتہ شرکت میں شرکت مفاوضہ اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ نے اس کے بھی جواز کا فتوی دیا ہے۔ (قدوری: کتاب الشرکۃ) اور اس بات کا ثبوت احادیث شریفہ میں بھی موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کے ساتھ کاروباری معاملہ فرمایا ہے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ نبی کی ذات کسی غیر شرعی عمل کو انجام نہیں دیتی، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم سے معاملات فرمائے ہیں تو پھر ان لوگوں کے ساتھ کاروبار کرنے میں کوئی قباحت نہیں - رہ جاتی، جیسا کہ اس بات کی وضاحت بخاری شریف کی احادیث میں مذکور ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی زرہ مبارک کو رہن کے طور پر رکھوا دیا۔ (بخاری: 1/277-278) ایسے ہی ایک دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے: ''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس رہن رکھوائی اور گھر والوں کے لئے غلہ خریدا''۔ (بخاری: 1/277-278) یہ تو ایک واقعہ ہے ہی، اس کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر دور کی بھی ایک حدیث اسی طرح کی ملتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع کے بدلہ رہن رکھی تھی''۔ (بخاری 1/409) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ مبارک رہن رکھوا کر ایک یہودی سے غلہ خریدا، اس واقعہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان غیر مسلموں سے تجارتی معاملات کر سکتا ہے، اگر یہ عمل جائز نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس کا صدور نہ ہوتا، نہ ہی آپ مسلمانوں کی، بلکہ جان نثار کرنے والے صحابہ کی اتنی بڑی تعداد کو چھوڑ کر کسی یہودی سے معاملہ کرتے، یہ تو امت کو تعلیم کی غرض سے ہی ایسا کیا گیا، تا کہ امت اس بارے میں تذبذب کا شکار نہ ہو اور یہ بات امت کو معلوم ہو جائے، کہ غیر مسلم سے تجارتی تعلقات رکھے جا سکتے ہیں اور اگر کوئی غیر مسلم ایسا کاروبار کر رہا ہے جس میں کوئی امر شریعت سے متصادم نہیں تو اس میں مسلمان بھی شریک ہو سکتا ہے۔

اسلامی مملکت میں تو غیر مسلموں کو کاروبار کرنے کے اتنے ہی حقوق شریعت نے دیئے، جتنے مسلمانوں کو دیئے اور تجارتی معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں کیا گیا، فقہاء کی کتابوں میں اس بات کی صراحت ان الفاظ کے ساتھ ملتی ہے ''تجارت اور کاروبار میں ذمی بھی مسلمانوں کی طرح ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جائے گا'' (قدوری: 85) ہاں، اسلامی مملکت میں رہ کر، وہ لوگ بھی سودی کاروبار نہیں کر سکتے اس لئے کہ اسلام کے نزدیک سود اور اس کی تمام شکلیں ناجائز ہیں، البتہ حرام اشیاء کی خرید و فروخت پر یہ شرط لگائی جائے گی کہ وہ آپس میں ہی اس کا لین دین کریں یعنی غیر مسلم غیر مسلم کو ہی فروخت کر سکتا ہے کسی مسلمان کو نہیں، اگر کسی مسلمان کا کسی غیر مسلم پر قرض ہو تو غیر مسلم مسلمان کے قرض کے بدلے میں نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ مسلمان کے نزدیک مال متقوم نہیں، لیکن اگر وہ اس حرام اشیاء کو کسی غیر مسلم کے ہاتھوں فروخت کر کے اس کی قیمت سے مسلمان کا قرض ادا کرنا چاہے تو وہ ادا کر سکتا ہے، اور مسلمان اس قیمت کو وصول بھی کر سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض علماء نے غیر مسلمین کے اس عمل کو دیکھتے ہوئے کہ وہ اپنے کاروبار کو سود سے پاک نہیں رکھتے مسلمان کے غیر مسلم کے ساتھ تجارتی تعلقات کو ناپسند بھی کیا ہے، امام مالک، امام احمد، سفیان ثوری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کاروبار میں مسلمان کی مؤثر شرکت ہو تو اسے سود سے پاک رکھا جا سکتا ہے، لیکن جمہور علماء نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ مسلمان غیر مسلم کے ساتھ شرکت کر سکتا ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی فتح کے بعد یہود کو اس شرکت پر کاشت کی اجازت دی، کہ ان کو آمدنی کا نصف حصہ ملے گا، اس روایت کو بخاری نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ (بخاری 1/340) یہ بھی تو ایک تجارتی معاملہ ہے کہ کاشتکار محنت کرے اور آمدنی کاشتکار اور مالک کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہو جائے۔

اس کے علاوہ ایک معاملہ یہ ہے کہ غیر مسلم سے اسلامی مملکت میں جزیہ لیا جاتا ہے جس کی کوئی وضاحت نہیں کی جاتی کہ وہ جزیہ کی رقم خالص حلال کی کمائی سے دے گا بلکہ اس میں بھی غیر مسلم ناجائز کمائی سے جزیہ ادا کرتا ہے مگر شریعت کا اس سے مطالبہ نہیں ہوتا کہ وہ شرعی طریقہ پر حلال کمائی کو ہی جزیہ میں ادا کرے جزیہ لینا یہ بھی ایک تجارتی معاملہ ہے کہ غیر مسلم کا مال مسلمانوں کے مال کے ساتھ ملحق ہو رہا ہے، بلکہ حضرت عمر کے ایک فعل سے تو غیر مسلم کے کاروبار پر زیادہ توجہ مرکوز کرنا ثابت ہے، جیسا کہ حافظ ابو عبید قاسم ابن سلام نے حضرت عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ تجارتی ٹیکس مسلمانوں سے ڈھائی فیصد اور ذمیوں سے پانچ فیصد اور دارالحرب کے کفار سے دس فیصد لیتے تھے، اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دارالحرب میں بھی مسلمانوں سے دس فیصد ہی لیا جاتا تھا (کتاب الاموال: 565) آج کل اس کو کسٹم ڈیوٹی سے تعبیر کر سکتے ہیوں، جبکہ بعض حنفی علماء کا خیال ہے کہ دارالحرب کے تاجروں سے دس فیصد لینے کی اصل وجہ یہ تھی، کہ ان کے اموال پر چور اور ڈاکوؤں کے حملہ کا خطرہ زیادہ رہتا تھا، اس لئے ان کی چوکسی بمقابل مسلمانوں کے زیادہ برتی جاتی تھی، گویا یہ ٹیکس تجارتی نہیں، بلکہ حفاظتی ٹیکس تھا، جو ایک طرح انہیں پر خرچ کر دیا جاتا تھا، اور آج کے دور میں بھی لوگ سیکیورٹی پر بہت خرچ کرتے ہیں اور یہ بات مشاہد ہے۔ ان چند ایک باتوں کے علاوہ غیر مسلموں کے کاروبار میں کسی طرح کوئی روکاوٹ اور ممانعت نہیں بلکہ اقتصادی اور معاشی میدان میں اس وقت بھی غیر مسلمین ہی زیادہ تر فائق تھے، اولاً تو اس بات کا استدلال اس حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس رکھوا کر غلہ خریدا، معلوم ہوا کہ اس کے پاس غلہ کی فراوانی تھی اور معاشی میدان میں وہ دوسرے لوگوں سے فائق ہی ہوگا، اور اس کے علاوہ دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فاقہ کی نوبت آ گئی حضرت علی کو اس کا علم ہوا تو وہ کسی کام کے تلاش میں نکل گئے کہ کوئی کام مل گیا تو کچھ اجرت حاصل ہو جائے گی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں گے حضرت علی ایک یہودی کی باغ میں گئے اور اس کے باغ میں سترہ ڈول پانی کے کھینچ کر اس کے باغ کی سینچائی کی اس کے عوض میں اس یہودی نے سترہ کھجوریں دی حضرت علی ان کھجوروں کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس حدیث سے جہاں غیر مسلم سے تجارتی تعلق کا ذکر ملتا ہے وہیں اس بات کی بھی اجازت ملتی ہے کہ غیر مسلم کے پاس آدمی ملازمت اختیار کر سکتا ہے کہ جب کہ وہ حدود شرع میں ہو، اس مسئلہ پر بھی فقہاء کی کتب میں گفتگو موجود ہے، یہ چند شہادتیں غیر مسلم کے ساتھ کاروبار کرنے کے جواز کے لئے کافی ہے۔

ویسے دیکھا جائے تو بھی یہ دنیا ایک دوسرے پر موقوف ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جب ساٹھ ہاتھ ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں تو ایک لقمہ منہ میں پہنچتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ دنیا تو تعاون باہمی کے اصول پر ہی رواں دواں ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرمایا ہے: دولت کی اصل بنیاد محنت ہے، مزدور کاشتکار قوت کا سبہ ہیں، باہمی تعاون مدنیت کی روح ہیں جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لئے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مزدور کاشتکار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لئے دماغی کام کریں وہ دولت کے اصل مستحق ہیں، ان کی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے اور جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لئے خطرہ، اس کو ختم ہو جانا چاہئے۔ جو پیداوار یا آمدنی تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے، تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہئے، جس طرح تاجروں کے لئے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کی کمپٹیشن سے روح تعاون کو نقصان پہنچائیں، ایسے ہی حکومت کے لئے جائز نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رخنہ ڈالے یا روکاوٹ پیدا کرے۔ روٹی، کپڑا اور مکان یا ایسی استطاعت کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے بلا لحاظ مذہب و نسل ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ کسی کی معاش دوسروں کے معاونت کے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی معاونت کے لئے ضروری ہے کہ معاہدے ہوں شرائط طے پائیں اور کچھ طریقوں پر اتفاق ہو جائے، اس طرح مزارعت، مضاربت، اجارہ، شرکت اور ایجنٹ بنانے کے طریقے نکلے پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ادھار لین دین امانت رکھنے کا چلن ہوا، جس میں لوگوں کو بد دیانتی، ٹال مٹول اور صریح انکار کے تجربے ہوئے، چنانچہ گواہی لینے لکھا پڑھی کرنے، گروی رکھنے کفیل بنانے اور کسی دوسرے کے حوالہ کرنے کی نوبت آئی، جیسے جیسے انسانوں کے معاشی حالات بہتر ہوتے گئے ویسے ویسے باہمی تعاون کے نئے نئے طریقے سامنے آتے رہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: 1/43-44) مذکورہ باتوں سے واضح ہو گیا کہ معاملات باہمی تعاون پر ہی مبنی ہیں اور آپسی بھائی چارگی سے یہ نظام عالم ترقی کی جانب گامزن ہے، اور جب اسلامی مملکت کا قیام تھا تب بھی ان کو مکمل آزادی دی گئی اور اس کی گواہی خود انگریز مؤرخ آرمٹیز کے حوالہ سے ملاحظہ ہو: ''اسلامی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ذمیوں (غیر مسلموں) پر کسی کام کا دروازہ بند کرتی ہو ان صنعتوں میں جو انتہائی نفع بخش تھی ان کے قدم جمے ہوئے تھے طبابت، عطاری، تجارت و جاگیرداری میں ان کا اجارہ دارانہ مقام تھا''۔

آج کے دور میں تو یہ سب عام ہو چکا ہے کہ تمام وسائل تجارت اور شروط تجارت اور ان کی خرید و فروخت کا پیمانہ نیز ان کے پاس کتنا لون یعنی سودی پیسہ ہے اور کس قدر رأس المال ہے، یہ سب انٹرنیٹ پر دستیاب ہے اسی کی ایک قسم شیئرز مارکیٹ ہے جہاں تمام کمپنیاں اپنے شرائط، اصول اور اپنے رأس المال کی وضاحت کے ساتھ دنیا میں موجود ہیں۔ تو اگر ان شرائط اور اصول کو پڑھ کر اور ان حسن و قبح سے واقف ہو کر کوئی مسلمان ان کمپنیوں کے واسطے یا بلا واسطے شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے غیر مسلم سے تجارت کرتا ہے تو شریعت کی نگاہ میں کوئی تنگی نہیں پائے گا۔ تو پھر کیوں اس معاملہ میں لیت و لعل کا سلسلہ باقی رکھا جائے اور مساوات کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے مسلمان بھی ایک دوسرے کا تعاون کریں اور اس تعاون باہمی میں شریک ہو کر معاشی اور قومی و ملکی ترقی میں حصہ دار ہوں۔

اخبار جہاں

محمد عادل فریدی

نیٹو بھارت اور چین کے درمیان مسائل پیدا کر رہا ہے: روس

روسی وزیر خارجہ سرگئی لاوروف نے مغربی فوجی اتحاد نیٹو پر الزام لگایا ہے کہ وہ بھارت اور چین کے درمیان اضافی مسائل پیدا کرنے کے لیے چالیں چل رہا ہے۔ بھارت اور چین کے مابین پہلے سے ہی تعلقات کشیدہ ہیں۔ بھارتی وزارت خارجہ نے تاہم روسی وزیر خارجہ کے بیان پر کوئی تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ سرگئی لاوروف کے ذاتی مشاہدات ہیں اور کسی بھی ملک کے ساتھ بھارت کے باہمی تعلقات کسی دوسرے ملک کے ساتھ اس کے تعلقات سے متصادم نہیں ہیں۔ روسی وزیر خارجہ سرگئی لاوروف نے نئے سال کے موقع پر رسمی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نیٹو صرف یورپ میں ہی زندگیوں کو کنٹرول کرنے تک محدود نہیں ہے۔ جون 2022 میں نیٹو کی میڈرڈ سمٹ میں اعلان کیا گیا تھا کہ اس فوجی اتحاد کے عالمی اور بالخصوص ایشیا بحرالکاہل کے حوالے سے اہداف ہیں۔ یہ واضح ہے کہ وہ بھارت کے ساتھ ایسی چالیں چلنے کی کوشش کر رہے ہیں جس سے بھارت اور چین کے درمیان تعلقات میں اضافی مسائل پیدا ہوں۔ لاوروف ماضی میں یہ کہہ چکے ہیں کہ ہند بحرالکاہل خطے کے حوالے سے امریکی حکمت عملی کا روس اور بھارت کے درمیان قریبی تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ روسی وزیر خارجہ کا کہنا تھا کہ اس امر کو یقینی بنانے کی حتی الامکان کوشش کر رہے ہیں کہ، ہمارے دو عظیم دوست اور بھائی، بھارت اور چین ایک دوسرے کے ساتھ امن اور سکون کے ساتھ رہ سکیں۔ انہوں نے کہا کہ بھارت اور چین جیسے مما لک ترقی پذیر مما لک ہیں اور ان میں ترقی کے غیر معمولی امکانات ہیں لیکن مغرب انہیں ایسا ہونے نہیں دے رہا ہے۔ (ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)

پاکستانی وزیر اعظم شہباز شریف کی وزیر اعظم مودی کو مذاکرات کی پیشکش

پاکستانی وزیر اعظم شہباز شریف نے اپنے بھارتی ہم منصب نریندر مودی کو تمام متنازعہ موضوعات بشمول مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کی پیشکش کر دی ہے۔ شہباز شریف نے تاہم ان مذاکرات کے لیے بطور سہولت کار متحدہ عرب امارات کا نام لیا ہے۔ وزیر اعظم پاکستان نے سرکاری ٹیلی وژن پر نشر ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں کہا، "میرا پیغام بھارتی قیادت اور وزیر اعظم نریندر مودی کے لیے ہے کہ وہ مذاکرات کی میز پر بیٹھیں اور ہمارے ساتھ کشمیر جیسے سلگتے ہوئے تنازعے کے بارے میں سنجیدہ گفتگو کریں۔ وزیر اعظم پاکستان کا کہنا تھا کہ انہوں نے یہ معاملہ اپنے حالیہ دورہ امارات کے دوران متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ محمد بن زاید کے ساتھ اٹھایا ہے۔ شہباز شریف کے بقول متحدہ عرب امارات کے دونوں ملکوں سے اچھے تعلقات ہیں۔ وہ بھارت اور پاکستان دونوں کو بات چیت کی میز پر لانے میں بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ تاہم بھارتی وزارت خارجہ کی طرف سے اب تک وزیر اعظم پاکستان کی اس پیشکش پر کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا ہے۔ (ڈوئچے ویلے)

سعودی عرب اب کسی کو غیر مشروط مالی امداد نہیں دے گا

سعودی عرب نے مستقبل میں بغیر کسی شرط کے کسی ملک کو مالی امداد نہ دینے کا عندیہ ظاہر کیا ہے۔ غیر ملکی خبرایجنسی کو انٹرویو میں سعودی عرب کے وزیر خزانہ محمد الجدعان نے کہا کہ سعودی عرب بغیر کسی شرط کے براہ راست گرانٹس اور ڈپازٹس دیتا ہے لیکن اس پالیسی کو اب تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اب براہ راست گرانٹس یا ڈپازٹس دینے کے بجائے دوست مما لک کو اصلاحات کرنے پر زور دیا جائے گا۔ محمد الجدعان کا کہنا تھا کہ سعودی عرب امریکی ڈالر کے علاوہ دوسری کرنسیوں میں تجارت کرنے کے لیے بات چیت کو تیار ہے۔ ہم اپنے لوگوں پر ٹیکس لگا رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ دوست مما لک اپنے طور پر بھی کام کریں۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور قطر اور دیگر خلیجی مما لک براہ راست مالی امداد کے بجائے سرمایہ کاری پر زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔ (نیوز ایکسپریس پی کے)

مولانا منت اللہ رحمانی پارامیڈیکل انسٹی ٹیوٹ

امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔801505

داخلہ نوٹس

جن طلبہ و طالبات نے مولانا منت اللہ رحمانی پارامیڈیکل انسٹی ٹیوٹ امارت شرعیہ پھلواری میں بی ایم ایل ٹی اور بی پی ٹی میں داخلہ کے لیے داخلہ امتحان دیا تھا اور ان کا داخلہ نہیں ہو سکا، اگر وہ طلبہ بہار سرکار Health Deptt. سے Permament منظور شدہ Diploma in Pathology (DMLT) دو سالہ میں داخلہ لینا چاہتے ہیں تو وہ جلد از جلد انسٹی ٹیوٹ میں آکر داخلہ لے سکتے ہیں، کچھ محدود سیٹیں ہی بچی ہوئی ہیں۔ داخلہ کیلئے انٹرمیڈیٹ کا مارکس شیٹ، CLC اور Migration جمع کرنا ضروری ہے۔ جن طلبہ نے بی ایم ایل ٹی یا بی پی ٹی کے لیے امتحان نہیں دیا تھا وہ بھی اگر ڈی ایم ایل ٹی میں داخلہ لینا چاہتے ہیں تو انسٹی ٹیوٹ کے کاؤنٹر سے 700 روپئے ادا کر کے داخلہ فارم لیکر ڈائرکٹ داخلہ لے سکتے ہیں۔

تعلیمی لیاقت کم سے کم I.Sc (Physics,Chemistry,Biology&English) ہونا ضروری ہے۔ مزید معلومات کے لیے درج ذیل نمبرات پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

فون نمبر: 8873771070,9334338123,9939899930

(سہیل احمد ندوی) (سید نثار احمد)

تعلیم و روزگار

بھارت گرین ہائیڈروجن کی صنعت میں عالمی مرکز بننے کا خواہشمند

بھارتی حکومت نے گرین ہائیڈروجن کی پیداوار، استعمال اور برآمدات میں مدد کے لیے 2.3 بلین ڈالر کی منظوری دے دی ہے۔ بھارت خود کو دنیا کی اس اُبھرتی ہوئی صنعت کا عالمی مرکز بنانا چاہتا ہے۔ بھارت نے اس فنڈنگ کو گرین ہائیڈروجن کی صنعت میں اپنا پہلا قدم قرار دیا ہے۔ یہ ملک رواں دہائی کے آخر تک کم از کم پانچ ملین میٹرک ٹن گرین ہائیڈروجن بنانے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

گرین ہائیڈروجن کیا ہے؟

گرین ہائیڈروجن پانی کے الیکٹرولائسز کے ذریعے پیدا ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے متبادل ذرائع یا ماحول دوست ذرائع سے پیدا ہونے والی بجلی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ فی الحال دنیا میں زیادہ تر ہائیڈروجن فوسل فیول (روایتی ایندھن) یا پھر گیس سے پیدا کی جا رہی ہے۔ بھارت کے وزیر اطلاعات ونشریات انوراگ ٹھاکر کا اس موقع پر کہنا تھا کہ اس فنڈنگ کا مقصد گرین ہائیڈروجن کو سستا بنانا اور آئندہ پانچ برسوں میں اس کی لاگت کو کم کرنا ہے۔ اس سے بھارت کو نہ صرف ضرر رساں گیسوں کے اخراج کو کم کرنے بلکہ اس میدان میں ایک بڑا برآمد کنندہ بننے میں بھی مدد ملے گی۔ اس خطیر رقم سے 2030 تک تقریباً 125 گیگا واٹ قابل تجدید توانائی کا اضافہ ممکن بنایا جائے گا۔ ابھی تک بھارت کے پاس 166 گیگا واٹ توانائی قابل تجدید ذرائع سے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

اندازوں کے مطابق دنیا میں گرین ہائیڈروجن کی پیداوار تقریباً 70 ملین ٹن سالانہ ہے اندازوں کے مطابق دنیا میں گرین ہائیڈروجن کی پیداوار تقریباً 70 ملین ٹن سالانہ ہے۔ بھارت اس شعبے میں پانچ لاکھ سے زائد نئی ملازمتیں بھی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ دیگر مقاصد میں مزید نجی سرمایہ کاری کو راغب کرنا، فوسل فیولز کی درآمدات کو کم کرنا اور گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں 50 ملین میٹرک ٹن کی کمی لانا شامل ہے۔ بھارت کی کئی قابل تجدید توانائی کی سرکردہ کمپنیاں گرین ہائیڈروجن کی پیداوار میں سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔ ان میں اڈانی گروپ، ریلائنس انڈسٹریز اور 'جے ایس ڈبلیو انرجی' کی ملکیتی کمپنیاں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح پبلک سیکٹر کمپنیاں، جیسے کہ انڈین آئل اور این ٹی پی سی لمیٹڈ بھی اس منصوبے کا حصہ ہیں۔

دنیا میں کتنی گرین ہائیڈروجن پیدا ہوتی ہے؟ گرین ہائیڈروجن اب بھی عالمی سطح پر پیدا ہونے والی ہائیڈروجن کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ اندازوں کے مطابق دنیا میں گرین ہائیڈروجن کی پیداوار تقریباً 70 ملین ٹن سالانہ ہے۔ تجارتی طور پر تیار کی جانے والی زیادہ تر ہائیڈروجن ''گرے ہائیڈروجن'' ہے، جو فوسل فیولز کے استعمال سے پیدا کی جا رہی ہے۔ ''بلیو ہائیڈروجن'' بھی فوسل فیولز سے ہی پیدا کی جاتی ہے لیکن اس میں ایک ایسا نظام استعمال کیا جاتا ہے، جس کے تحت ضرر رساں گیسوں کا اخراج کم ہوتا ہے۔ اگر گرین ہائیڈروجن کی پیداوار کے لیے پالیسی ترغیبات فراہم کرنے کی بات کی جائے تو بھارت چین، یورپی یونین اور امریکہ جیسے مما لک کی پیروی کر رہا ہے۔ توانائی کے ماہرین کو توقع ہے کہ آئندہ چند برسوں میں گرین ہائیڈروجن کی پیداواری لاگت میں نمایاں کمی آئیگی۔ اندازوں کے مطابق گرین ہائیڈروجن مارکیٹ سال 2030ء تک بیس گنا اضافے کے ساتھ بڑھ کر سالانہ 80 بلین ڈالر تک پہنچ جائے گی۔

دعوت دین اور تنظیم ملت ایک اہم دینی و ملی ضرورت: محمد شبلی القاسمی

امارت شرعیہ کے شعبہ تبلیغ و تنظیم سے وابستہ ہو کر دعوتی و تنظیمی خدمت کا سنہرا موقع

اللہ کے بندوں کو خیر کی دعوت دینا اور ملت کو کلمۂ واحدہ کی بنیاد پر متحد و منظّم رکھنے کے لئے جد و جہد کرنا یقیناً ایک بڑی ملی ضرورت ہے، اس لئے امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے بانیوں نے تبلیغ و تنظیم کے کاموں کو اہم اور بنیادی شعبہ کی حیثیت دی ہے، ان دونوں شعبوں کے تحت گذشتہ سو سالوں سے دعوت دین، معاشرتی اصلاح اور تنظیم ملت کا بڑا کام انجام پاتا رہا ہے، یہ باتیں امارت شرعیہ کے قائم مقام ناظم جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے اپنے ایک پریس ریلیز میں کہیں، انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ حالات میں معاشرتی اصلاح اور تنظیم ملت کی ضرورت مزید دوچند ہوگئی ہے، اس لئے امارت شرعیہ کے امیر شریعت مفکر ملت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی مدظلہ نے امارت شرعیہ کے پھیلتے دائرۂ کار اور ملت اسلامیہ کے وسیع تر تقاضے کو دیکھتے ہوئے امارت شرعیہ کے شعبہ تبلیغ و تنظیم میں وسیع پیمانہ پر باصلاحیت علماء کرام کی بحالی کا فیصلہ فرمایا ہے، چنانچہ حضرت امیر شریعت مدظلہ کے فیصلے کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے علماء کرام جو دینی، دعوتی و تنظیمی خدمت کا جذبہ رکھتے ہوں انہیں مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اگر امارت شرعیہ سے وابستہ ہو کر خدمت انجام دینا چاہتے ہوں تو ۲۵ر جنوری ۲۰۲۳ء تک اپنی درخواست ناظم امارت شرعیہ کے نام دستی / ای میل / وہاٹس ایپ یا مندرجہ ذیل پتہ پر اپنی سند کی عکسی کاپی یا اپنی لیاقت کی وضاحت کے ساتھ ارسال کر دیں، درخواست اپنی صاف تحریر میں لکھیں نیز اپنا مکمل پتہ اور موبائل نمبر بھی ضرور تحریر کریں، ان شاء اللہ جلد ہی انٹرویو ہوگا اور بحالی کی کاروائی مکمل کی جائے گی۔ اڈیشہ، بنگال اور جھارکھنڈ کے علماء کرام کو ان کے ہی صوبہ میں خدمت کا موقع دیا جائے گا۔ طعام و قیام اور اخراجات سفر کے ساتھ ابتدائی تنخواہ دس ہزار سے زائد ہوگی اور مستقل ملازمت کی صورت میں پنشن اور مفت علاج وغیرہ کی سہولیات بھی دستیاب ہوں گی۔ یہ اطلاع دفتر تنظیم امارت شرعیہ سے شاہ نواز عالم مظاہری نے دی۔

درخواست بھیجنے کے پتے :

ڈاک : ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بہار پن کوڈ: 801505

ای میل : tanzimimaratshariah@gmail.com

وہاٹس ایپ: 9065720887۔9546493996

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

قاضی عبدالجلیل قاسمیؒ کی حیات وخدمات پر لکھی گئی کتاب کا امارت شرعیہ میں اجراء

مورخہ 16 جنوری 2023 کو مرکزی دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف میں نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب کی صدارت میں منعقد ایک نشست میں امارت شرعیہ کے سابق قاضی حضرت مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ کی حیات وخدمات پر لکھی گئی کتاب کا اجراء عمل میں آیا۔ کتاب کا نام **"مختصر تذکرہ نمونۂ اسلاف حضرت مولانا وحافظ قاضی عبدالجلیل قاسمی نور اللہ مرقدہ"** ہے، اس کے مرتب مولانا ومفتی محمد نوشاد عالم بصری ثاقبی مہتمم جامعہ صدیقیہ بصرہ، مجھولیا، ضلع مغربی چمپارن ہیں۔ مرتب کتاب کو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ اس نشست میں حضرت قاضی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت نائب امیر شریعت مد ظلہ نے کہا کہ کچھ لوگ اپنے اچھے کاموں اور نیک خصلتوں کی وجہ سے یادوں کا ایک قافلہ چھوڑ جاتے ہیں، قاضی صاحبؒ کی ذات بھی اسی طرح کی تھی جسے لمبے وقت تک یاد کیا جاتا رہے گا۔ ان کی نیکی، خداترسی، مزاج کی سادگی، علم کی گہرائی، عمل کی پختگی، فیصلے کی قوت، رائے کی درستگی، وقت کی پابندی، خوش اخلاقی، نرم گفتاری، عاجزی وانکساری، نگاہ وفکر کی بلندی اور دوراندیشی سب چیزیں یاد کی جائیں گی اور مدتوں یاد کی جاتی رہیں گی۔ آپ کی کمی کا احساس برسوں رہے گا۔ آپ نے مزید کہا کہ قاضی عبدالجلیل صاحبؒ تجربہ کار، باصلاحیت اور متقی صاحب علم، بابصیرت عالم دین اور کامیاب مدرس تھے، قضاء کی باریکیوں پر ان کی گہری نظر تھی، ایک طویل مدت تک انہوں نے امارت شرعیہ کے قاضی شریعت کی حیثیت سے نمایاں خدمت انجام دیں، ان کی خدمات کو مدتوں بھلایا نہ جا سکے گا۔ آپ نے مرتب کتاب مولانا مفتی نوشاد عالم صاحب ثاقبی کو حضرت قاضی صاحب کی زندگی کے مختلف احوال کو مختصر کتابچہ کی شکل میں جمع کر دینے پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ یہ کتابچہ مفتی صاحب کے حضرت قاضی صاحب کے ساتھ تعلقات اور ان کے ساتھ نشست وبرخواست کی روداد اور دیدنی احوال ہیں۔ مفتی صاحب کا حضرت قاضی صاحب سے استاذ وشاگرد والا رشتہ ہے اور اس مختصر تحریر میں ایک مشفق استاذ کے تئیں ایک ہونہار وفرماں بردار شاگرد کے جذبات کا اظہار ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس تحریر سے حضرت قاضی صاحب کی زندگی کے کئی پوشیدہ پہلوو?ں سے پڑھنے والے روشناس ہوں گے۔ اس نشست میں حضرت نائب امیر شریعت کے علاوہ مولانا محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت، مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم، مولانا مفتی محمد سہراب ندوی نائب ناظم، مولانا مفتی وصی احمد قاسمی نائب قاضی شریعت، مولانا محمد سہیل اختر قاسمی نائب قاضی شریعت، مولانا رضوان احمد ندوی معاون مدیر نقیب، مولانا مجیب الرحمٰن قاسی نائب قاضی، مولانا احمد حسین قاسمی معاون ناظم، مولانا مفتی احتکام الحق قاسمی نائب مفتی، مولانا محمد ارشد رحمانی آفس سکریٹری، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی شعبہ پروجیکٹ مینجمنٹ، مولانا اسعد اللہ قاسمی مینیجر نقیب، مولانا صابر حسین قاسمی، مولانا ذیشان قاسمی، مولانا محمد نوشاد قاسمی بصرہ مغربی چمپارن، محمد عادل فریدی، مولانا ممتاز احمد صاحب وغیرہ شریک تھے۔

امارت شرعیہ کا ایک تاریخی وفد استھانواں شیخ پورہ کی سرزمین پر

ایک خداترس بوڑھے مولانا محمد علی اور ایک بوڑھی محترمہ نعیمہ کا مثالی کارنامہ

امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کا مؤقر وفد جناب مولانا قاری محمد علی صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ نعیمہ خاتون کی دعوت پر، جناب مولانا عتیق اللہ قاسمی صاحب امام وخطیب جامع مسجد فقیر باڑہ پٹنہ کی توسط سے قائم مقام ناظم امارت شرعیہ جناب مولانا شبلی القاسمی صاحب کی قیادت میں شیخ پورہ کے مضافاتی علاقہ استھانواں پہونچا جہاں قاری محمد علی صاحب کے ساتھ گاؤں کے معزز افراد نے وفد کا استقبال کیا، جامع مسجد استھانواں میں بعد نماز عصر قائم مقام ناظم صاحب نے حاضرین سے گاؤں کے احوال معلوم کیے اور امیر شریعت کا پیغام اور سلام ان تک پہونچایا، گاؤں کی تعلیمی اور سماجی صورت معلوم فرمائی اس کے بعد وفد جناب مولانا قاری محمد علی صاحب کے گھر پہونچا، مولانا کا گھر علماء وصلحاء کا مرکز رہا ہے، حاجت مند اور ضرورت مندوں کی دادرسی کیلئے یہ گھرانہ مشہور ہے، گاؤں علاقہ کے ہر اہم کام اور کار خیر کے کاموں میں حصہ لینا اپنا فرض اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی حق ادائیگی سمجھتے ہیں، پورے حلقہ میں محترمہ نعیمہ خاتون اپنی داد ودہش میں معروف اور مثالی ہیں، کئی سالوں سے ضروری گذر بسر سے زائد روپے امارت شرعیہ پھلواری شریف کیلئے جمع کر رہی تھی جب معتد بہ رقم جمع ہوگئی تو ان کے خاوند جناب مولانا محمد علی صاحب نے جناب مولانا عتیق اللہ قاسمی صاحب امام وخطیب جامع مسجد فقیر باڑہ پٹنہ کے ذریعہ قائم مقام ناظم امارت شرعیہ جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب کو مطلع کیا کہ تشریف لائیں اور جمع کردہ رقم بیت المال کیلئے اپنے ہاتھوں سے وصول کر لیں، چنانچہ قائم مقام ناظم صاحب نے امارت شرعیہ کے ایک وفد کے ساتھ استھانواں کا سفر کیا۔ مولانا محمد علی صاحب، علاقہ کے مشہور عالم ہیں، وہ مولانا انوار صاحب کے برادرخورد ہیں، ان کے والد مولانا عبدالستار صاحبؒ بھی بڑے عالم دین تھے۔ اللہ نے مولانا محمد علی صاحب کو بڑی صلاحیتوں اور دولت سے نوازا ہے۔ آپ کی زندگی بڑی سادہ ہے۔ آپ کی عمر نوے برس ہے، اس کے باوجود پابندی سے گاؤں کی مسجد میں امامت فرماتے ہیں۔ گاؤں میں ایک خوبصورت مسجد کی تعمیر 2018 میں آپ نے اپنے خرچ سے کرائی۔ نیز گاؤں میں ایک مدرسہ بھی اپنے خرچ پر چلاتے ہیں۔ وہ امیر شریعت سابع مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی علیہ الرحمہ کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ انھوں نے امارت شرعیہ کو خطیر رقم اور زیورات عطیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم یہ سب دولت رکھ کر کیا کریں گے، امارت شرعیہ کو چلی جائے گی تو کام آئے گی۔ ہمیں اب ضرورت نہیں ہے، اللہ نے کافی نوازا ہے۔ ہم یہ سب اللہ کی راہ میں دے رہے ہیں۔ ہم تو اب جانے والے ہیں، ابھی بھی چل رہے ہیں یہ اللہ کا احسان ہے، جو میرے پاس ہے وہ اللہ کے راستے میں چلا جائے جو ہم دے کر جائیں گے وہی آخرت میں ملے گا۔ ہمارے فرزند بھی الحمدللہ خوش حال ہیں۔ اس موقعہ پر ان کی اہلیہ نعیمہ خاتون بنت حکیم محمد یحیٰ مرحوم (استھانواں، شیخ پورہ) جو 85 برس کی ہیں اور نہایت متقی اور پرہیزگار خاتون ہیں، نے اپنے زیورات بیت المال امارت شرعیہ کو عطیہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر لوگوں کا مزاج بیت المال میں دینے کا ہو جائے تو بڑے مسائل حل ہوں گے۔ اگر بیت المال کا نظام مضبوط ہو تو مسلمان پریشان نہیں ہوں گے۔ انہوں نے قوم کی بیٹیوں کے نام پیغام میں مزید کہا کہ پردہ میں رہ کر اسلام کی خدمت کریں اور ضرورت سے زائد مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں انہوں نے وفد کے ارکان کو دعاء دیتے ہوئے کہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین اسلام پر قائم رکھے، دین کی خدمت لے اور دونوں جہان میں شاد وآباد رکھے۔ آمین۔

ان کی قیام گاہ پر خطاب کرتے ہوئے جناب مولانا شبلی القاسمی قائم مقام ناظم امارت شرعیہ نے عطیہ کنندگان کی صحت اور سلامتی کی دعاء کی نیز ان کے حوصلہ کو امت کے لیے حوصلہ افزا قرار دیتے ہوئے کہا کہ مولانا قاری محمد علی صاحب اور ان کی اہلیہ نے جس جذبہ کا اظہار کیا ہے وہ اپنے آپ میں مثال ہے۔ انہوں نے صحابہ وصحابیات کے ایثار کی یاد تازہ کر دی جب انہوں نے اپنے گھروں کے ساز وسامان اور جو کچھ تھا، اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، مولانا محمد علی صاحب اور محترمہ نعیمہ خاتون صاحبہ نے اسی جذبہ کی مثال دی ہے۔ یہ ان کا مزاج ہے کہ وہ راہ خدا میں مستقل خرچ کرتی ہیں، مولانا شبلی القاسمی صاحب نے امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی دامت برکاتہم کا سلام اور پیغام بھی اصحاب خانہ کو پہونچایا اور امارت شرعیہ اور تمام دینی اداروں کی ترقی کے لیے دعاء کی اپیل کی۔ چنانچہ محترمہ نعیمہ خاتون نے باپردہ ہو کر خصوصی دعاء کی۔ ان کے اخلاص وخلوص کا یہ عالم تھا کہ اس ضعیفی کے باوجود شوق میں امارت شرعیہ کے وفد کے لیے انہوں نے ضیافت کا خود ہی اہتمام کیا۔ اس وفد میں مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی مفتی امارت شرعیہ، مولانا قمر انیس قاسمی معاون ناظم مولانا نصیر الدین مظاہری معاون سکریٹری دفتر نظامت امارت شرعیہ شامل رہے جب کہ رہبری کے فرائض مولانا محمد شارب ضیاء رحمانی اور مولانا معظم علی وارث رحمانی نے انجام دیے اور امارت کے وفد کا استقبال کیا۔

امارت شرعیہ میں کئی اہم شخصیات کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی نشست

مورخہ ۱۶/جنوری ۲۰۲۳ کو مرکزی دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف میں نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب کی صدارت میں کئی اہم شخصیات کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی نشست کا انعقاد ہوا، جس میں مرحومین کے لیے دعا مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ جن مرحومین کے لیے یہ تعزیتی نشست منعقد کی گئی تھی، ان میں جامعہ رحمانی مونگیر کے سابق استاذ اور مدرسہ انوار العلوم پورنیہ کے استاذ مولانا حسین احمد قاسمی، خانوادہ حضرت مولانا عارف صاحب ہرسنگھ پوری کے چشم وچراغ بزرگ عالم دین اور امارت شرعیہ کے رکن ارباب حل وعقد مولانا عبداللہ رحمانی قاسمی، معاون ناظم امارت شرعیہ مولانا محمد ابوالکلام شمسی صاحب کے چچازاد بھائی و رکن ارباب حل وعقد امارت شرعیہ جناب آفاق احمد صاحب ڈپرکھا، تروینی گنج سوپول، آزاد اکیڈمی ارریہ کے پرنسپل جناب عبدالمنان صاحب اور امارت شرعیہ کے معاون قاضی مولانا راشد العزیزی ندوی صاحب کی دادی محترمہ کا نام شامل ہے۔ امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب دامت برکاتہم اور قائم مقام ناظم مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے بھی ان سبھی مرحومین کے لیے مغفرت و بلندیٔ درجات کی دعا کی اور پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کی۔ امارت شرعیہ میں منعقد تعزیتی مجلس میں مرحومین کے محاسن کا تذکرہ کرتے ہوئے نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی صاحب نے فرمایا کہ یہ تمام لوگ ملت کے قیمتی سرمایہ تھے، ان کے انتقال سے ملت نے اپنے عظیم خدمت گاروں کو کھو دیا ہے، ہم سب لوگ ان کے انتقال سے غم زدہ ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر وقرار نصیب کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا حسین احمد قاسمی کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ وہ بزرگ عالمِ دین تھے، ایک مدت تک جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی، پھر اس کے بعد مدرسہ انوار العلوم اسلامپور، پورنیہ سے وابستہ ہوئے تو جب تک صحت ساتھ دیتی رہی وہاں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، آپ سادگی کے پیکر تھے، عاجزی، انکساری کے ساتھ عالمانہ شان رکھتے تھے اور علاقہ کی مقبول عام شخصیت تھے۔ اسی طرح جناب محمد آفاق حسین صاحب سکریٹری جامعہ اسلامیہ سراج العلوم ڈپرکھا تربنی گنج ضلع سوپول، نقیب امارت شرعیہ و رکن مجلس ارباب حل وعقد امارت شرعیہ بھی ایک دیندار، ملنسار کم گو، مہمان نواز اور علاقہ کی معزز ومقبول شخصیات میں شمار ہوتے تھے، ہر طبقہ میں عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے، دینی اداروں خاص کر امارت شرعیہ جامعہ رحمانی مونگیر دار العلوم دیوبند سے گہری عقیدت تھی، دعوت وتبلیغ سے بھی وابستہ تھے۔ مولانا عبداللہ قاسمی صاحب رکن ارباب حل وعقد امارت شرعیہ حضرت مولانا عارف صاحب ہرسنگھ پوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، اس اعتبار سے خانقاہ رحمانی اور امارت شرعیہ سے گہری عقیدت ومحبت رکھتے تھے، قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کے ہم درس تھے، پوری زندگی درس وتدریس میں گزاری، بہت نیک، عبادت گزار، خوش خلق اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ آپ نے لمبے عرصے تک مدرسہ اسلامیہ چھتھی ہنومان نگر میں درس دیا، اس کے بعد اسکول کی تدریس سے وابستہ ہوئے، ساتھ ہی امامت وخطابت کی ذمہ داری بھی انجام دیتے رہے۔ جناب الحاج عبدالمنان صاحب ضلع ارریہ کے معروف ومشہور اقلیتی تعلیمی ادارہ آزاد اکیڈمی کے پرنسپل تھے، حال ہی میں امارت شرعیہ کا عظیم الشان اجلاس حضرت امیر شریعت مدظلہ کی صدارت میں وہاں ہوا تھا، اجلاس کے کامیاب انعقاد میں انہوں نے بہت متحرک اور فعال کردار ادا کیا تھا، وہ بہت ہی خلیق اور ملنسار انسان تھے، دینی وملی کاموں سے بہت زیادہ دلچسپی تھی، اپنے علاقہ کی مقبول شخصیت میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ مولانا راشد العزیزی ندوی صاحب کی دادی مرحومہ بھی نیک سیرت، خداترس اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان سبھی مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء کرے۔ اس تعزیتی نشست میں حضرت نائب امیر شریعت کے علاوہ مولانا محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت، مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم، مولانا مفتی محمد سہراب ندوی نائب ناظم، مولانا مفتی وصی احمد قاسمی نائب قاضی شریعت، مولانا محمد سہیل اختر قاسمی نائب قاضی شریعت، مولانا رضوان احمد ندوی معاون مدیر نقیب، مولانا مجیب الرحمٰن قاسی نائب قاضی، مولانا احمد حسین قاسمی معاون ناظم، مولانا مفتی احتکام الحق قاسمی نائب مفتی، مولانا محمد ارشد رحمانی آفس سکریٹری، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی شعبہ پروجیکٹ مینجمنٹ، مولانا اسعد اللہ قاسمی مینیجر نقیب، مولانا صابر حسین قاسمی، مولانا ذیشان قاسمی، مولانا محمد نوشاد قاسمی بصرہ مغربی چمپارن، محمد عادل فریدی، مولانا ممتاز احمد صاحب وغیرہ شریک تھے۔ حضرت امیر شریعت مدظلہ کی ہدایت پر مولانا محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت مرکزی دار القضاء کی قیادت میں امارت شرعیہ کا ایک موقر وفد مولانا محمد عبداللہ رحمانی قاسمی ہرسنگھ پوری کے جنازے میں بھی شریک ہوا، جس میں نائب قاضی شریعت مولانا مفتی وصی احمد قاسمی، مولانا محمد عادل فریدی قاسمی اور قاضی شریعت سمستی پور مولانا محمد امان اللہ قاسمی شریک تھے۔ وفد نے جنازے میں شرکت کے علاوہ اہل خانہ اور علاقہ کے لوگوں کو حضرت امیر شریعت، نائب امیر شریعت اور امارت شرعیہ کے ذمہ داران کی طرف سے تعزیتی پیغام پہونچایا، اس کے علاوہ اس وفد نے موضع دھپاری، ضلع سہرسہ میں امارت شرعیہ کے قدیم نقیب اور قاضی انظار عالم قاسمی کے قریبی رشتہ دار جناب الحاج زین العابدین صاحب کے جنازے میں بھی شرکت کی اور اہل خانہ سے تعزیت کی۔

بڑھتی جارہی ہے امیروں اور غریبوں کے بیچ کی کھائی

21 ارب پتیوں کے پاس ہے 70 کروڑ ہندوستانیوں سے زیادہ دولت؛ آکسفیم انڈیا کی رپورٹ

سب سے امیر 21 ہندوستانی ارب پتیوں کے پاس 70 کروڑ ہندوستانیوں سے زیادہ ملکیت ہے۔ یہ بات آکسفیم انڈیا کی حال میں جاری رپورٹ میں بتائی گئی ہے، اس رپورٹ میں امیروں اور غریبوں کے بیچ اقتصادی عدم توازن کے بارے میں کئی دیگر اہم اعداد وشمار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ ان سے متعلق حوالے اور ذرائع بھی رپورٹ میں درج ہیں۔ کورونا وبا کے شروع ہونے سے نومبر 2022 تک ہندوستانی ارب پتیوں کی ملکیت 121 فیصد بڑھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ 3608 کروڑ روپے روزانہ کے حساب سے یہ ملکیت بڑھی ہے، یعنی 2.5 کروڑ روپے فی منٹ۔

دی ڈاووس رپورٹ 2019 پبلک گوڈ اور پرائیویٹ ویلتھ (The Davos report 2019 “Public Good or Private Wealth?) سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارا معاشی نظام ٹوٹ چکا ہے، کروڑوں لوگ غربت میں زندگی گزار رہے ہیں، جب کہ بہت بڑے انعامات سب سے اوپر والوں کو ملتے ہیں۔ عالمی مالیاتی بحران کے بعد 10 سالوں میں ارب پتیوں کی تعداد تقریباً دوگنی ہوگئی ہے۔ گزشتہ سال ہر دو دن میں ایک نیا ارب پتی بنایا گیا اور دنیا بھر میں کل 2208 ارب پتی بنے۔ 2018 میں دنیا کے 1,900 ارب پتیوں کی دولت میں 900 بلین امریکی ڈالر (63000 بلین روپئے) کا اضافہ ہوا۔ یعنی 175 بلین روپئے یومیہ کا اضافہ۔ دریں اثنا غریب ترین لوگوں کی ملکیت میں کمی ہوتی رہی اور انسانوں کی نصف آبادی یعنی 3.8 بلین لوگ 11 فیصد تک نیچے گر گئے۔ دولت اور بھی زیادہ محدود ہوتی جارہی ہے اور چند لوگوں کے بیچ سمٹتی جارہی ہے۔ پوری دنیا میں صرف 26 افراد اب 3.8 بلین لوگوں کے برابر ہیں جو کہ پوری دنیا کی آبادی کا نصف ہے۔ پچھلے سال دنیا کے امیر ترین شخص، ایمیزون کے مالک جیف بیزوس کی دولت بڑھ کر 112 بلین امریکی ڈالر (7840 بلین ہندوستانی روپئے) تک پہنچ گئی۔ اس کی دولت کا صرف 1% حصہ 115 ملین آبادی والے ملک ایتھوپیا کے لیے صحت کے پورے بجٹ کے برابر ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں بھی معاشی عدم توازن اپنے عروج پر ہے۔ ٹاپ ایک فیصد کی دولت میں ایک سال میں 39 فیصد کا اضافہ ہوا، جبکہ نیچے کی پچاس فیصد آبادی کی ملکیت میں صرف اعشاریہ تین فیصد کا ہی اضافہ ہوا۔ صرف 5 فیصد ہندوستانیوں کے پاس ملک کی ملکیت کا 60 فیصد حصہ ہے، جبکہ نیچے کے 50 فیصد کے پاس ملک کی ملکیت کا محض 3 فیصد حصہ ہے۔ آکسفیم کی جدید رپورٹ ''سروائیول آف دی رچپسٹ: دی انڈیا اسٹوری'' نے یہ تفصیلات پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ہندوستان کے سب سے امیر شخص کی ملکیت سال 2022 میں 46 فیصد بڑھی ہے۔ اس رپورٹ نے بتایا کہ ان ارب پتیوں کے ''ان ریلائزڈ گینس'' پر یکبارگی 20 فیصد ٹیکس سے (2017-21 کے دوران) 1.8 لاکھ کروڑ روپے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ رقم ایک سال کے دوران پرائمری اسکولوں میں 50 لاکھ اساتذہ کو روزگار دینے کے لیے کافی ہے۔ آکسفیم نے مرکزی وزیر سے اپیل کی ہے کہ اس خطرناک عدم توازن کو ختم کریں اور آئندہ بجٹ میں ملکیت ٹیکس جیسے برابری والے اقدام اٹھائیں۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2012–21 کے دوران جو ملکیت میں اضافہ ہندوستان میں ہوا ہے، اس کا 40 فیصد سے زیادہ حصہ اوپر کی 1 فیصد آبادی کو گیا ہے، جبکہ نیچے کی 50 فیصد آبادی کو محض 3 فیصد حصہ ملا ہے۔ آکسفیم انڈیا کی جدید رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں ارب پتیوں کی تعداد 2020 میں 102 سے بڑھ کر 2022 میں 166 ہوگئی۔ ہندوستان کے 100 سب سے زیادہ امیر لوگوں کی مجموعی ملکیت 54 لاکھ کروڑ روپے پہنچ گئی، جس سے 18 ماہ کا مرکزی بجٹ بن سکتا ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سب سے امیر 10 ہندوستانیوں کی کل ملکیت 27 لاکھ کروڑ روپے ہے۔ گزشتہ سال سے اس میں 33 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ ملکیت صحت اور آیوش وزارتوں کے 30 سال کے بجٹ، وزارت تعلیم کے 26 سال کے بجٹ اور منریگا کے 38 سال کے بجٹ کے برابر ہے۔ کارپوریٹ ٹیکس میں 2019 میں کمی کی گئی اور چھوٹ کی شکل میں سال 2021 میں 103285 کروڑ روپے کا فائدہ انھیں ملا جو 1.4 سال کے لیے منریگا بجٹ کے برابر ہے۔

آکسفیم انڈیا کے چیف ایگزیکیٹو افسر امیتابھ بیہر کہتے ہیں ''امیر طبقہ کے حق میں بنے ہوئے اس نظام میں حاشیہ پر رہنے والے لوگ (دلت، قبائل، مسلم، خواتین، غیر رسمی سیکٹر کے محنت کش) پریشانیوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ امیر طبقہ پر ٹیکس بڑھا کر ان سے مناسب حصہ حاصل کیا جائے۔ ہم وزیر مالیات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ملکیت ٹیکس اور انہیریٹنس ٹیکس (Inheritance Tax) جیسے ٹیکس لائیں جس سے نابرابری کم ہو۔''

ایسے ٹیکسز سے حکومت کو زیادہ مالی وسائل حاصل ہوں گے اور پھر ضرور عوامی خدمات و ماحولیاتی تبدیلی کم کرنے جیسے اہم کام آگے بڑھ سکیں گے۔ نابرابری کے خلاف 'بھارتیہ سنگھرش الائنس' کے سروے کے مطابق 80 فیصد لوگ امیر طبقہ اور کووڈ کے دوران زیادہ منافع کمانے والوں پر زیادہ ٹیکس کی حمایت کرتے ہیں۔ 90 فیصد نے کہا کہ بجٹ میں نابرابری کم کرنے والے اقدام بڑھائیں، مثلاً سب کے لیے سماجی تحفظ، طبی حقوق، خواتین پر تشدد کم کرنے کی ترکیب وغیرہ۔

آکسفیم انڈیا نے وزیر مالیات کو مشورہ دیا کہ سب سے اوپر کے 1 فیصد امیر اشخاص کی ملکیت پر مستقل طور پر ٹیکس لگنا چاہیے، اور زیادہ امیر اشخاص سے زیادہ ٹیکس حاصل کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ ملکیت ٹیکس، ونڈ فال ٹیکس اور انہیریٹنس ٹیکس کے ذریعہ سے زیادہ رقوم حاصل کرنے چاہئیں۔ جو غریب اور متوسط طبقہ کے روزمرہ کے استعمال اور ضروریات کی چیزیں ہیں، ان پر جی ایس ٹی کی شرح کم کرنی چاہیے اور عیش وآرام کی چیزوں پر جی ایس ٹی کی شرح بڑھانی چاہیے۔ اس طرح ٹیکس نظام ملک میں برابری کو فروغ دے گا۔

قومی صحت پالیسی کی سہولتوں کے مطابق صحت کے لیے بجٹ کو 2025 تک جی ڈی پی کا 2.5 فیصد کر دینا چاہیے تاکہ عوامی صحت مضبوط ہوسکے اور لوگوں پر بوجھ کم ہوسکے، وہ کسی صحت بحران کا سامنا بہتر طریقے سے کر سکیں۔ تعلیم کے لیے حکومت کے بجٹ الاٹمنٹ کے بارے میں یہ وسیع نظریہ ہے کہ یہ جی ڈی پی کا 6 فیصد ہونا چاہیے۔ اسے قومی تعلیمی پالیسی میں بھی منظوری ملی ہے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے حکومت کو منصوبہ بند طریقے سے الاٹمنٹ کو بڑھانا چاہیے۔ تعلیم میں موجودہ نابرابری کو دور کرنے کے لیے اس کے موافق پروگراموں کو بڑھانا چاہیے، مثلاً درج فہرست ذات و درج فہرست قبائل کے طلبہ، خصوصاً طالبات کے لیے پری میٹرک اور پوسٹ میٹرک اسکالرشپس۔ مشکل دور سے گزرتے اور مہنگائی سے نبرد آزما ہوتے مزدوروں کی سیکورٹی بڑھانے اور ان کی معاشی وروزگار کے حالات کو مضبوط کرنے کے لیے کوششیں بہت ضروری ہیں۔

ارب پتی افراد کی تعداد میں نصف تک کی کمی ضروری ہے

آکسفیم نے امیر ترین لوگوں پر مزید ٹیکس لگانے اور ''بلینیئر بسٹنگ''، یعنی ارب پتی افراد کو کم کرنے کی پالیسیاں متعارف کرنے پر زور دیا ہے۔ آکسفیم کا کہنا ہے کہ دنیا کو مزید مساوی بنانے کے لیے 2030ء تک ارب پتی افراد کی موجودہ تعداد کو نصف کرنے کی ضرورت ہے۔

''سروائیول آف دی رچسٹ'' (Survival of the Richest) یعنی امیروں کی بقا نامی اس رپورٹ میں آکسفیم نے تجویز پیش کی ہے کہ اس مقصد کے لیے دنیا کے امیر ترین لوگوں پر مزید ٹیکس لگایا جائے۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ 10 برسوں میں ارب پتی افراد کی دولت میں دوگنا کا اضافہ ہوا ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کے ایک فیصد امیر ترین افراد نے نچلے درجے کے 50 فیصد لوگوں کی نسبت 74 گنا زیادہ دولت جمع کی ہے۔

آکسفیم نے اپنی رپورٹ میں مزید کہا ہے کہ کووڈ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کاسٹ آف لیونگ یعنی رہائشی اخراجات میں اضافے سے پیدا ہونے والے بحران اور روس کے یوکرین پر حملے کے بعد اشیا خورونوش اور توانائی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے دوران امیر افراد کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

رپورٹ میں موجود اعداد وشمار کے مطابق 2020ء سے اب تک آمدنی کے مقابلے میں مہنگائی زیادہ تیزی سے بڑھی ہے جبکہ ارب پتی افراد کی دولت میں روزانہ 2.7 ارب ڈالر کا اضافہ ہوا ہے۔ اسی دوران اشیا خورونوش اور انرجی کمپنیوں کے منافع میں بھی دوگنا سے زیادہ کا اضافہ دیکھا گیا ہے۔ ایسے میں دولت کی منصفانہ تقسیم اور عدم مساوات میں کمی کے لیے آکسفیم نے امیر افراد پر مزید ٹیکسز لگانے کی تجویز دی ہے۔

آکسفیم کا کہنا ہے کہ اگر دنیا کے ایک فیصد امیر ترین افراد پر مزید ٹیکسز لگائے جائیں اور ''بلینیئر بسٹنگ'' پالیسیاں (billionaire busting' policies) اپنائی جائیں تو 2030ء تک ارب پتی افراد کی موجودہ تعداد میں نصف تک کی کمی ہو جائے گی۔ اس بین الاقوامی امدادی ادارے کا کہنا ہے کہ ان اقدامات سے ارب پتی افراد کی تعداد اور ان کی دولت کو 2012ء کی سطح پر واپس لایا جاسکے گا۔ آکسفیم نے اپنی رپورٹ میں زور دیا ہے کہ ''منافع خوری کے بحران'' کو روکنے کے لیے حصص پر منافع (ڈیویڈنڈز) پر عائد ٹیکسز میں اضافے کی ضرورت ہے اور جمع کی گئی دولت پر دیگر ٹیکس بھی لگانے چاہییں۔ آکسفیم نے دنیا کی امیر ترین ایک فیصد افراد پر ایک مستقل ٹیکس لگانے کی تجویز بھی دی۔

امریکی خبر رساں ادارے پروپبلکا کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے آکسفیم نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی کہ دنیا کے کئی امیر ترین لوگ مشکل سے ہی کوئی ٹیکس دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں خاص طور سے ٹیسلا کے سربراہ ایلون مسک کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے بھی کئی برسوں تک اپنی حیثیت کے مطابق ٹیکس نہیں دیا۔ 2014ء اور 2018ء کے درمیان حقیقتاً ان کا ٹیکس ریٹ صرف 3.2 فیصد تھا۔ اسی طرح ایمازون کے بانی جیف بیزوس ایک فیصد سے بھی کم ٹیکس دے رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں یوگینڈا میں آکسفیم سے منسلک ایک تاجر اپنے منافع کا 40 فیصد حصہ ٹیکس کی مد میں دیتی ہیں۔ آکسفیم کی یہ رپورٹ ایسے موقع پر شائع ہوئی ہے جب دنیا بھر سے سی۔ای۔اوز، سیاسی سربراہان اور دیگر نامور شخصیات ورلڈ اکنامک فورم کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے سوئٹزرلینڈ کے شہر ڈاووس (DAVOS) میں اکھٹے تھے۔

ہندوستان کے بارے میں رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں، ارب پتیوں کی دولت میں 2018 میں یومیہ 22 بلین روپئے یعنی 0.3 بلین امریکی ڈالر کا اضافہ ہوا، جبکہ غریب ترین افراد 2004 سے قرض میں مبتلا ہیں۔ ہندوستان میں 2018 میں 18 نئے ارب پتی بنے ہیں، 2019 میں ارب پتیوں کی کل تعداد 119 ہوگئی ہے۔ ان 119 ارب پتیوں کی کل دولت 400 بلین امریکی ڈالر یعنی 28000 بلین ہندوستانی روپیہ ہے۔ جبکہ 2018-19 کے مالی سال میں پورے ملک کا بجٹ صرف 24422 بلین تھا، اس طرح ان ارب پتیوں کے پاس ملکی بجٹ سے ساڑھے تین ہزار بلین سے زیادہ دولت ہے۔

آکسفیم کی رپورٹ سے حکومتوں کو سبق لینا چاہئے کہ اگر حکومت غریبوں اور حاشیہ پر رہنے والوں کے ساتھ حکومت انصاف کا معاملہ نہیں کرے گی اور اس قتصادی عدم توازن کو ختم کرنے کے اقدامات نہیں کرے گی تو یہ اقتصادی عدم توازن پوری دنیا کے معاشی نظام کو درہم برہم کر دے گا۔ امیروں اور غریبوں کے درمیان کی کھائیء بڑھتی جائے گی، امیر اور امیر ہوتے جائیں گے اور غریبوں کا درد بڑھتا جائے گا۔

آرایس ایس اور اس کی سرگرمیاں

مولانا سید عنایت اللہ ندوی

آرایس ایس ایک ہندوانتہا پسند تنظیم ہے جس کی جڑیں کافی پھیل چکی ہیں اوراس کے شعلے اب ہندوستان کے کونہ کونہ کواپنی لپیٹ میں لیتے چلے جارہے ہیں، ابھی اس کے قیام کوسوسال بھی مکمل نہیں ہوئے پھر بھی وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقتور منظّم ترین تنظیم بن چکی ہے، اس لیے اس کا جائزہ لینا انتہائی ضروری ہو چکا ہے۔

آرایس ایس کا قیام 1925ء میں ہوا جبکہ ہندوستان میں آزادی کی تحریک عروج پر تھی، مہاتما گاندھی کی قیادت میں سارے باشندگانِ وطن متحد ہوکر انگریزوں کے خلاف ملک گیر آندولن چلا رہے تھے، ہندو مسلم اتحاد کے بے نظیر مناظر سے انگریزوں کے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی نظر آرہی تھی، اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے انگریزوں نے جہاں بہت ساری منصوبہ بندیاں کیں، ان میں سے آرایس ایس کا قیام بھی ہے، اس کے لیے انہوں نے ایک 25 سالہ نوجوان کا انتخاب کیا جس کی پیدائش ناگپور میں ہوئی تھی، اور وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کلکتہ گیا تھا، کلکتہ میں تعلیم کے دوران اس کی پوری ذہن سازی کی گئی، مسلمانوں کے خلاف اس کے دل ودماغ میں زہر کوٹ کوٹ کر بھرا گیا اوراس کے لیے تیار کیا گیا کہ وہ خالص ہندوؤں کی ایسی تنظیم تیار کرے جو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہو اور مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالکر ہندوستان میں ہندوراشٹر قائم کرے، وہ نوجوان تھا کیشپ بلی رام ہیڈ گیوار، یہی وہ نوجوان تھا جس نے ناگپور آکر آرایس ایس کی بنیاد ڈالی، آرایس ایس کے بنیادی مقاصد یہ قرار دیے گئے:

۱-تمام ہندوذاتوں کوایک پلیٹ فارم میں جمع کرنا۔

۲-ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنا۔

۳-ہندوستان کی سرزمین سے مسلمانوں کونکال باہر کرنے کی منصوبہ بندی کرنا۔

۴-آزاد ہندوستان میں ہندوراشٹر قائم کرنا جس کی بنیاد منوسمرتی پر ہو۔

ان مقاصد کو ہندتو کا نام دیا گیا، پھر اس ہندوتو کو بروئے کار لانے کے لیے ہیڈ گیوار نے زبردست حکمت عملی اختیار کی، سب سے پہلے مرحلے میں ناگپور شہر میں تربیتی کیمپس بنائے گئے جن کو آرایس ایس کی شاکھائیں کہا گیا، ان شاکھاؤں میں 20 سال سے 30 سال کے ہندو نوجوانوں کو داخل کرکے ان کی تربیت اس انداز میں کی گئی کہ وہ ہندوتو کے نظریہ کے علمبردار بن جائیں، پھر آہستہ آہستہ ان شاکھاؤں کو ناگپور کے علاوہ مہاراشٹر کے دیگر شہروں میں پھیلایا گیا، نیز اسی طرح ملک کی دیگر ریاستوں میں بھی اس کی شاکھائیں پھیلتی گئیں، ان شاکھاؤں میں داخل ہونے والوں کوفوجی ٹریننگ نظم وضبط کے ساتھ ساتھ توڑ پھوڑ کے طریقے بھی سکھائے گئے، شاکھاؤں سے نکلنے والے افراد سیاست، صحافت، انتظامیہ وغیرہ مختلف شعبوں میں داخل ہوتے گئے اور ہر جگہ وہ ہندوتو کی ترویج کرنے لگے، اس کے ساتھ ساتھ آرایس ایس نے 70 کے قریب ذیلی تنظیمیں بھی تشکیل دیں جو آرایس ایس کے ماتحت رہ کر مختلف میدانوں میں ہندوتو کوفروغ دینے کا کام منظّم ڈھنگ سے کرتی ہیں، ان ذیلی تنظیموں میں اہم ترین تنظیمیں یہ ہیں: ۱-بھارتیہ جن سنگھ، ۲-بجرنگ دل، ۳-وشو ہندو پریشد، ۴-اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد (abvp)، ۵-بھارتیہ کسان سنگھ، ۶-بھارتیہ مزدور سنگھ، ۷-اکھل بھارتیہ شکشک مہا سنگھ وغیرہ وغیرہ، ان ساری تنظیموں کوسنگھ پریوار کہا جاتا ہے۔

بھارتیہ جن سنگھ اب بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) میں تبدیل ہو چکی ہے، یہ دراصل آرایس ایس کی سیاسی جماعت ہے، جو سیاسی میدان میں آرایس ایس کے ایجنڈے اور ہندوتو کے فارمولے کوعملی جامہ پہنانے کے لیے مؤثر طور پر سرگرم ہے، یہ فی الحال دنیا کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن چکی ہے جس کے ممبران کی تعداد پندرہ کڑور سے زیادہ ہو چکی ہے، کانگریس کو بے دخل کرکے ہندوستان کے اقتدار پر بھی اس نے قبضہ کرلیا ہے، ہندوراشٹر کے قیام کے لیے اپنے اقتدار کا بھرپور استعمال بھی کررہی ہے، آرایس ایس کا قیام چونکہ انگریزوں اور انگریزی حکومت کے اشارہ پر ہوا تھا، اس لیے آرایس ایس نے تحریک آزادی کی ہر سرگرمی سے اپنے آپ کو مکمل طور پر دور رکھا بلکہ بسا اوقات اس تحریک کی مخالفت اور انگریزی حکومت کی برملا تائید بھی کی جس کی واضح مثال یہ ہے کہ 1930ء میں جب مہاتما گاندھی کی طرف سے انگریزی حکومت کے خلاف ستیہ گرہ تحریک کا اعلان کیا تو آرایس ایس کے بانی وسربراہ ہیڈ گیوار نے صاف لفظوں میں اس کی مخالفت کی اور ملک میں موجودہ آرایس ایس کے ورکروں کواس تحریک میں شامل ہونے سے روکنے کے لیے باقاعدہ ایک سرکولر جاری کیا، چنانچہ جس آزادی کی تحریک میں ہندوستان کا بچہ بچہ شامل ہوا، اس سے آرایس ایس کے لوگوں نے اپنے آپ کوالگ رکھا، یہ دراصل انگریزوں کوخوش کرنے کی پالیسی تھی تاکہ انگریزی حکومت سے جو حمایت آرایس ایس کو مل رہی تھی وہ آئندہ بھی جاری رہے، اس طرح آرایس ایس نے آزادی کی تحریک سے ہمیشہ اپنے آپ کو پوری طرح الگ رکھا۔

اسی طرح ہندو مسلم دوقومی نظریہ کی آواز بھی پہلی مرتبہ آرایس ایس کی طرف سے آئی، آرایس ایس نظریہ کے ایک بہت بڑے علمبردار ساورکر نے 1937ء میں پہلی بار دوقومی نظریہ پیش کرتے ہوئے ہندوستان کو ہندو لینڈ اور مسلم لینڈ کی حیثیت سے دوحصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس کے 3 سال کے بعد ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد آرایس ایس کی طرف سے ڈالی گئی۔ مہاتما گاندھی اور پوری کانگریس پارٹی اس کے خلاف تھی، انگریز وہی چاہتے تھے جو آرایس ایس چاہتی تھی، چنانچہ آرایس ایس کی تجویز کے مطابق ہندوستان کی تقسیم عمل میں آگئی، 1947ء میں ہندوستان دوحصوں میں منقسم ہوکر آزاد ہوا، آزادی کے فوراً بعد آبادی کی منتقلی شروع ہوئی، اسی دوران آرایس ایس کے شرپسندوں نے ملک بھر میں مسلمانوں کا قتل عام، غارت گری اور لوٹ مار شروع کردی، مہاجرین کو پاکستان کی طرف لے جانے والی ٹرین کے اندر گھس کر سارے مسلمانوں کوقتل کرڈالا، جب ٹرین پاکستان پہنچی تو پوری ٹرین مردہ لاشوں سے بھری ہوئی تھی، اس ک بعد نہرو لیاقت سمجھوتہ ہوا جس کے تحت یہ طے پایا کہ آبادی کی منتقلی کا سلسلہ روک دیا جائے، جو جہاں ہیں وہیں کا شہری بن کر رہیں گے لیکن آرایس ایس نے ملک کے اندر قتل وغارت گری کا سلسلہ جاری رکھا، ہزاروں مسلمان مختلف شہروں اور دیہاتوں میں روزانہ قتل ہوتے رہے، مہاتما گاندھی نے قتل وغارت گری کو روکنے کی اپیل کی، اس کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا تو انہوں نے مون برت رکھا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک یہ قتل وغارت گری کا سلسلہ نہیں رکتا، میں نہ تو کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا، اس مون برت کے بعد مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ رکا، اس طرح آرایس ایس کا پلان ناکام ہو گیا، اس کا پلان یہ تھا کہ اگر ملک کی تقسیم ہندو مسلم کی بنیاد پر ہوگی تو ہندوستان کی سرزمین سے سارے مسلمانوں کو نکال کر اسے مسلم مکت ملک بنایا جاسکتا ہے، جس کو ہندوراشٹر بنانا ممکن ہو سکے گا، تقسیم تو ہوگئی لیکن نہرو لیاقت سمجھوتہ سے مسلمانوں کے نکالنے کا راستہ بند ہو گیا، اب آرایس ایس والوں نے قتل عام کے ذریعہ مسلمانوں کوختم کرنے کی مہم چھیڑ دی ،لیکن گاندھی جی کے مون برت سے یہ مہم بھی ناکام ہوگئی، اب انہوں نے مہاتما گاندھی ہی کوقتل کردینے کا منصوبہ بنایا، اس کے لیے انہوں نے دونوجوان ناتھورام گوڈسے اور نارائن آپٹے کومنتخب کیا، یہ دونوں پائجامہ کرتا ٹوپی لگا کر مسلمانوں کا بھیس بنا کر نئی دہلی میں واقع برلا ہاؤس پہنچے جہاں مہاتما گاندھی قیام پذیر تھے، 30؍جنوری 1948ء کوشام کے وقت جب وہ پرارتھنا کرنے جارہے تھے تو راستہ میں ناتھورام گوڈسے سامنے آیا، اس نے مہاتما گاندھی کا پیر چھوا، پھر اٹھ کر ایک پستول سے مہاتما گاندھی کے سینے پر تین گولیاں داغ دیں، موقع ہی پر گاندھی جی کا انتقال ہو گیا، ان دونوں کوموقع ہی پر لوگوں نے پکڑ لیا، اسلامی لباس سے پہلے مرحلہ پر لوگوں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں مسلمان ہیں، فوری طور پر ریڈیو سے خبر نشر ہوگئی کہ ایک مسلمان نے گاندھی جی کوقتل کردیا، اس خبر کے نشر ہوتے ہی بمبئی و دیگر شہروں میں پھر سے مسلمانوں کے خلاف حملے شروع ہوگئے، اسی اثناء میں مہاراشٹر پونے کے ایک ہندو ممبر پارلیمنٹ وہاں آگئے اور انہوں نے گوڈسے کو دیکھا تو پہچان گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ تو ناتھورام گوڈسے ہے، جو میرے محلّہ کا ہے اور آرایس ایس کا غنڈہ ہے، پھر تحقیق ہوئی تو بات صحیح نکلی، رات کے بارہ بجے وزیراعظم نہرو ریڈیو پر آئے اور انہوں نے باضابطہ اعلان کیا کہ مہاتما گاندھی کا قاتل آرایس ایس کا رکن ناتھورام گوڈسے ہے، اس کے بعد مسلمانوں پر حملے رکے، یہاں بھی آرایس ایس کی ایک بہت بڑی سازش بے نقاب ہوئی اور ناکام ہوئی، آرایس ایس کی سازش یہ تھی کہ گوڈسے اسلامی لباس میں گاندھی کوقتل کرکے فرار ہو جائے گا اور قاتل کی شناخت ایک مسلمان کی حیثیت سے ہوگی تو ہندوستان میں باپو کے چاہنے والے مسلمانوں کا چن چن کر قتل کرڈالیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ سازش ناکام کردی۔

مہاتما گاندھی کے قتل میں شامل ہونے کے پختہ ثبوت کی بنا پر 26؍فروری 1948ء کو آرایس ایس پر پابندی لگادی گئی، آرایس ایس کے کارکنوں اور لیڈروں کوگرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا گیا لیکن اس وقت کے وزیر داخلہ سردار پٹیل نے 12؍جولائی 1949ء کو آرایس ایس سے پابندی ہٹالی، پابندی ہٹنے کے بعد اس کے سارے کارکنوں اور لیڈروں کو رہا کردیا گیا، اس کے بعد بہت تیزی کے ساتھ پورے ملک میں آرایس ایس نے اپنے ہاتھ پیر پھیلانے شروع کردیے، اگر پابندی برقرار رکھی گئی ہوتی تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا جو آج دیکھا جارہا ہے، ملک کو آزادی دلانے والے عظیم انسان باپو کے قتل میں واضح طور پر ملوث آرایس ایس کواس ملک کے اندر اپنی سرگرمیاں چلانے کی قطعی اجازت نہیں ہونی چاہیے تھی، لیکن سردار پٹیل کی کرم فرمائی تھی کہ انہوں نے سارے کانگریسیوں کی مخالفت کے باوجود آرایس ایس سے پابندی ہٹالی اسی لیے آرایس ایس ان کو اپنا محسن اعظم مانتی ہے، اسی احسان کے بدلہ میں بی جے پی نے ان کا ایک دیوہیکل مجسمہ بنا کر کھڑا کردیا، جب پابندی لگی تھی اس وقت تو آرایس ایس والے گوڈسے سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرتے نہیں تھکتے تھے لیکن آج وہ اس کو اپنا بہت بڑا ہیرو مانتے ہیں۔

26؍جنوری 1950ء کو ملک کا آئین نافذ ہوا جس میں بھارت کو جمہوری سیکولر ملک قرار دیا گیا اور ملک کے لیے تین رنگوں والا جھنڈا متعین کیا گیا، آرایس ایس والوں نے کبھی بھی دل سے نہ اس آئین کوتسلیم کیا اور نہ جھنڈا کو، ان کے نزدیک وہ فارمولہ ہی ہندوستان کا آئین بن سکتا ہے جسے وہ ہندوتو کا نام دیتے ہیں اور جس کی بنیاد منوسمرتی پر ہے اوران کے نزدیک بھگوا جھنڈا ہی مقدس ہے جس کو وہ سینہ سے لگاتے ہیں چنانچہ عرصہ دراز تک انہوں نے ملک کے جھنڈے کو اپنے دفتروں میں کبھی بھی آویزاں نہیں کیا، صرف بھگوا جھنڈا ہی لہراتے رہے، اب چند دنوں سے بھگوا جھنڈے کے ساتھ ملک کے جھنڈے کو لہرانے لگے ہیں۔

ملک کے آئین میں یہاں بسنے والے ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں، بدھسٹوں، دلتوں، آدی واسیوں اور کمیونسٹوں کو مساوی حقوق دیے گئے ہیں جب کہ آرایس ایس کا نعرہ ہے: ہندی ہندو ہندوستان، نہ رہے سکھ نہ مسلمان۔ اوراس کے ایجنڈے میں سرفہرست مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنا ہے، مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کرہی وہ یہاں ہندوراشٹر قائم کرسکیں گے، کیونکہ وہ مسلمانوں کواس راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں، مسلمانوں کو ہندوستان سے کس طرح نکالا جائے اس کے لیے آرایس ایس نے اپنے ماہرین کی ایک ٹیم بنائی جس کے ذمہ یہ کام سونپا کہ ایسے ملکوں اور علاقوں کا جائزہ لیا جائے جہاں سیکڑوں سالوں تک مسلمانوں نے حکومت کی پھر وہاں سے کس طرح مسلمانوں کو چن چن کر نکال دیا گیا پھر اسی طریقہ کار کو ہندوستان میں استعمال کرے، یہاں سے مسلمانوں کے وجود پر تیشہ چلایا جاسکے، اس فہرست میں سب سے پہلا خطہ یورپ کا ملک اسپین نظر آیا، چنانچہ آرایس ایس کے تجربہ کار ماہرین پر مشتمل ایک ٹیم باقاعدہ اسپین گئی اور بہت گہرائی سے ان تمام تفصیلات کو جمع کیا جن کو استعمال کرکے وہاں سے مسلمانوں کو مکمل صفایا کیا گیا تھا، جب انہوں نے محسوس کیا کہ اسپین کا تجربہ کامیاب نہیں ہو پائے گا تو پھر اسرائیل کا رخ کیا جہاں سے فلسطینی عربوں کو نکال کر یہودیوں نے اسرائیل مملکت قائم کی ہے۔ اب بی جے پی انہیں دونوں ملکوں کے نظریے کو وطن عزیز میں اپنا رہی ہے، ان حالات میں مسلمانوں کو سیاسی حکمت عملی کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اردو زبان اور اس کا تدریجی ارتقاء

مولانا افتخار احمد قاسمی

''اردو'' کے معنی لشکر کے ہیں۔ قدرت کا تخلیقی کرشمہ ہے کہ مختلف اضداد واجناس کے ملاپ سے کسی نئی شئی کا وجود ہوتا ہے، اسی طرح اردو مختلف زبانوں اور بولیوں سے مل کر وجود میں آنے والی ایک نئی زبان ہے؛ گویا یہ مختلف زبانوں اور بولیوں کا لشکر ہے۔ یا چوں کہ اس کی آفرینش وافزائش لشکر کے درمیان ہوئی ہے، اس لیے یہ زبان ''اردو'' بمعنی لشکر کے نام سے جانی جاتی ہے۔ کائنات میں جیسے جیسے حیات کا ارتقا ہوتا رہا، ویسے ویسے انسانی ارتقا کی تاریخ بنتی رہی۔ زبان کا ارتقا بھی ایک تہذیب کی تاریخ کا زریں باب ہے۔ انسانی تہذیب میں اس کی بولتی ہوئی زبان حیوان کی گنگ زبان سے اس کو امتیاز دیتی ہے اور اس کے شعور کی واضح علامت ہوتی ہے۔ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے دکھ درد، خوشی وغم، خیال، احساس، جذبہ اور فکر وتجربہ کا اظہار چاہتا ہے، جس سے اس کی زندگی میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور اسے زندگی کے بامقصد و بامعنی ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ انسان کی یہ فطرت اور اس کا یہ احساس زبان کا مرہونِ احسان ہے۔ انسانی معاشرت شروع ہوکر جیسے جیسے ترقی کی راہیں طے کرتی جاتی ہے، ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی انسانی تہذیب کا مستقل ادارہ بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں: ''انسانی شعور اسے نکھارتا ہے، خیالات وفکر کا نظام اسے روشنی دیتا ہے، زندگی کے مختلف عوامل اور تجربے اسے بناتے سنوارتے ہیں۔ ہر چھوٹی بڑی، اعلیٰ اور ادنیٰ چیز یا تصور، تجربہ یا احساس، زبان کا لباس پہن کر ''فہم'' کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان نہ کوئی فرد ایجاد کرسکتا ہے اور نہ اسے فنا کیا جاسکتا ہے۔ مختلف تہذیبی عوامل، رنگارنگ قدرتی عناصر، مسلسل میل جول اور رسومِ معاشرت گھل مل کر رفتہ رفتہ صدیوں میں جا کر کسی زبان کے خدوخال اجاگر کرتے ہیں۔ اسی لیے دنیا کی ہر زبان میں لسانی عمل اور ادب کی تخلیق کے درمیان وقت کا ایک طویل فاصلہ ہوتا ہے۔ بولی صدیوں میں جا کر زبان بنتی، اپنی شکل بناتی اور خدوخال اُجاگر کرتی ہے۔ لسانی ارتقا کی تاریخ جب ایک ایسی منزل پر پہونچ جاتی ہے، جہاں محسوس کرنے والا انسان، سوچنے والا ذہن اور اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہونچانے والے افراد اس زبان میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کی سہولت پاتے ہیں تو ادب کی تخلیق اپنا سر نکالتی ہے۔

اردو زبان وادب کے ساتھ بھی دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح یہی عمل ہوا۔ کبھی اقتدار کی قوت نے اسے دبایا، کبھی اہلِ نظر نے حقیر جان کر اسے منہ نے لگایا اور کبھی تہذیبی دھاروں نے اسے مغلوب کر دیا؛ یہ عوام کی زبان تھی، عوام کے پاس رہی۔ مسلمان جب برّ صغیر پاک وہند میں داخل ہوئے تو عربی، فارسی اور ترکی بولتے آئے اور جب ان کا اقتدار قائم ہوا تو فارسی سرکاری زبان ٹھہری۔ تاریخ شاہد ہے کہ حاکم قومیں اپنی زبان اور اپنا کلچر ساتھ لاتی ہیں اور محکوم قومیں، جن کی تہذیبی وتخلیقی قوتیں مردہ ہوجاتی ہیں؛ اس زبان اور کلچر سے اپنی زندگی میں نئے معنی پیدا کر کے نئے شعور اور احساس کو جنم دیتی ہیں۔ مسلمانوں کا کلچر ایک فاتح قوم کا کلچر تھا، جس میں زندگی کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹنے کی پوری قوت اور لپک موجود تھی۔ اس کلچر نے جب ہندوستان کے کلچر کو نئے انداز سکھائے اور یہاں کی بولیوں پر اثر ڈالا تو ان بولیوں میں سے ایک نے، جو پہلے سے اپنے اندر جذب وقبول کی بے پناہ صلاحیت رکھتی تھی اور مختلف بولیوں کے مزاج کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی؛ بڑھ کر اس نئے کلچر کو سینے سے لگایا اور تیزی سے ایک مشترک بولی بن کر نمایاں ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس بولی نے اس کلچر کے ذخیرۂ الفاظ کو اپنا لیا اور اس کے طرزِ احساس اور نظامِ خیال سے ایک نیا رنگ روپ حاصل کرلیا اور اس طرح وقت کے تہذیبی، معاشرتی ولسانی تقاضوں کے سہارے، مسلمانوں اور برِّ عظیم کے باشندوں کے درمیان مشترک اظہار وابلاغ کا ذریعہ بن گئی...... زبان کا بیج جاندار تھا، زمین زرخیز تھی؛ نئے کلچر کی کھاد نے ایسا اثر کیا کہ تیزی سے کونپلیں پھوٹنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک تناور درخت بن گیا''۔

اردو زبان کی نشو ونما، ایک تاریخی جائزہ: اردو زبان کی نشو ونما ایک طویل تاریخ رکھتی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بتایا گیا کہ اس زبان کا رشتہ مسلمانوں کے کلچر سے جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ مسلمان جہاں جہاں گئے، یہ زبان وہاں وہاں پہونچی اور علاقائی اثرات کو جذب کر کے اپنی شکل بناتی گئی۔ اس میں نئے نئے الفاظ اور نئے نئے خیالات سماتے گئے اور اس کے خدوخال کو نکھار اور احساس وشعور کو سلیقہ ملتا گیا۔ گویا یہ زبان مختلف تدریجی مراحل سے گذر کر نشو ونما پائی اور لسانی وتہذیبی امتزاج کے فطری عمل سے پروان چڑھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس کی نشو ونما کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس کا ایک ہیولیٰ سندھ وملتان میں تیار ہوا، پھر یہ لسانی عمل سرحد وپنجاب میں ہوا؛ جہاں سے تقریباً دو صدی بعد یہ دہلی پہونچا اور وہاں کی زبانوں کو جذب کر کے اور ان میں جذب ہوکر سارے برّ عظیم میں پھیل گیا۔ گجرات میں یہ زبان ''گجری'' کہلائی، دکن میں اسے ''دکنی'' کے نام سے پکارا گیا۔ کسی نے اسے ''لاہوری'' یا ''دہلوی'' کے نام سے موسوم کیا۔ اسی حساب سے کسی نے اس کا رشتہ ناتا برج بھاشا سے جوڑا، کسی نے اسے کھڑی بولی سے ملایا۔ کسی نے اسے ''زبانِ پنجاب'' کہا، کسی نے سندھی سرائیکی کے علاقے کو اس کا مولد بتایا____ مختلف زبانوں سے اس کا یہ تعلق اور مختلف زبانوں کے علاقوں کا اس زبان پر دعویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے سب سے فیض اٹھا کر اپنے وجود کو انفرادیت بخشی ہے۔ اسی لیے یہ زبان برّ اعظم کی سب زبانوں کی زبان ہے''۔ اردو زبان کی تاریخی کہانی یہ ہے کہ ہندوستان میں آریہ قوم تقریباً 1500 قبل مسیح سے آنا شروع ہوئی اور 1000 قبل مسیح تک شمالی ہندوستان میں پنجاب سے بنگال تک پھیل گئی۔ ہندوستان میں پہلے سے مختلف علاقوں میں مختلف مقامی بولیاں رائج تھیں۔ آریہ قوم جب تک محدود علاقے میں رہی، ان کی زبان اپنی جگہ قائم رہی؛ مگر جیسے جیسے وہ پھیلنے لگی، ان کی زبان میں فرق آتا گیا اور دوسری زبانوں کے میل جول سے تلفظ والفاظ میں ردو بدل ہوتا گیا؛ یہاں تک کہ ان کی زبان کی مرکزی حیثیت بہت حد تک ختم ہوگئی۔ پھر 600 قبل مسیح میں مختلف زبان سے ہر جگہ استعمال کئے جانے والے الفاظ کا انتخاب کر کے ایک منظّم زبان کی تشکیل کی گئی، جو بعد میں بن سنور کر نکھر کر ''سنسکرت زبان'' کہلائی۔ شروع میں یہ زبان ترقی کی اور اس کو بڑا عروج حاصل ہوا، مگر رفتہ رفتہ اس میں اتنی زیادہ ادبیت آتی گئی کہ یہ عوام سے جدا ہوکر خواص کی زبان بن کر رہ گئی۔

ہندوستانی عوام کی زبان شروع ہی سے ایک مخلوط زبان تھی۔ اگرچہ مختلف خطوں میں مختلف مقامی بولیاں بولی جاتی تھیں، تاہم ان میں بہت معمولی فرق ہوتا تھا۔ ان زبانوں اور بولیوں کو ''پراکرت'' کہا جاتا تھا اور اس پراکرت کی ادبی شکل کا نام ''پالی'' تھا، جسے بدھ مذہب کے ہاتھوں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مگر اس میں بھی سنسکرت کی طرح رفتہ رفتہ ادبی پہلو غالب آتا گیا اور عوام اس کے استعمال سے بھی گریز کرنے لگی۔ اور پھر عوامی ضرورت وصلاحیت کے تحت ملی جلی زبان کو ایک خاص رنگ دے کر ایک نئی اور آسان زبان کا استعمال شروع ہوا، جسے اہلِ زبان وادب نے حقارت سے ''اپ بھرنش'' کا نام رکھ دیا؛ جس کے معنی بگڑی زبان کے ہیں۔ مگر چوں کہ اس زبان میں انسانی زندگی اور تہذیب و تمدن کے آثار پائے جاتے تھے، لہٰذا دھیرے دھیرے مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس کی طرف مائل ہونا شروع ہوا اور راجپوتوں کے سیاسی زمانۂ اقتدار میں یہ زبان اس قدر ترقی کرگئی کہ 800ء سے لے کر 1000ء تک تمام شمالی ہندوستان کی ادبی زبان بن گئی___ اور آج کی موجودہ اردو زبان اسی ''اپ بھرنش'' زبان کی کوکھ سے جنم لی ہے۔ 712ء میں محمد بن قاسم نے سندھ وملتان کو فتح کیا، اس وقت وہاں کئی زبانوں سے ملی جلی ایک کھچڑی زبان بولی جاتی تھی۔ محمد بن قاسم کے لشکر میں عربی وفارسی زبان بولنے والے لوگ شامل تھے، لہٰذا وہاں عربی وفارسی کے الفاظ استعمال ہونے لگے۔ محمد بن قاسم کے حملے کے تقریباً تین سو سال بعد 1001ء میں ہندوستان پر محمود غزنوی کا حملہ ہوا اور اس سے تقریباً پانچ سو سال بعد بابر کا حملہ ہوا۔ اور اس طرح ہندوستانی تہذیب میں اسلامی تہذیب کی شمولیت ہونے لگی اور مختلف تہذیبوں کے ملاپ سے ہندوستانی زبان کے ساتھ بیرونی زبان کے الفاظ کی ردو بدل ہونا شروع ہوئی۔ عربی وفارسی کے الفاظ ہندوستانی زبانوں میں اور ہندوستانی زبانوں کے الفاظ عربی وفارسی زبان میں بڑی تیزی سے شامل ہونے لگے۔ اور چونکہ مشترک کلچر کے لیے رابطے کی ایک مشترک زبان بنیادی شرط ہوتی ہے اور اردو زبان میں اس کی پوری صلاحیت موجود تھی، لہٰذا جب اس کا وجود ہوا تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا اور اس میں عربی وفارسی کے الفاظ کثرت سے داخل ہونے لگے؛ جس سے اس نئی زبان کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں: ''اور جب اس پر ''عربی ایرانی'' تہذیب اور زبانوں نے اپنا سایہ ڈالا، نئے لہجے اور تلفظ اس میں شامل ہوئے، نئی آوازوں نے اس زبان کے سوتے ہوئے تاروں کو چھیڑا تو اس کے اندر ایک ایسا عمل امتزاج شروع ہوا جس نے اس میں سڈول پن پیدا کر کے نرمی، شائستگی اور قوتِ اظہار کو بڑھا دیا۔ رفتہ رفتہ یہ زبان نئے لفظوں کی مدد سے اپنا رنگ روپ اور چولا بدلنے لگی۔ بے ڈول، اَگھڑ، ثقیل اور قدیم آوازوں والے الفاظ خود بخود خارج ہوتے گئے اور نئی تہذیبی ومعاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے والے الفاظ داخل ہوتے گئے''۔ 1297ء میں علاء الدین خلجی نے گجرات فتح کیا، جو تقریباً سو سال تک دہلی کی سلطنت میں شامل رہا۔ اس کے بعد 1310ھ میں دکن اور مالوہ پر فوج کشی کرا کر انہیں بھی فتح کرلیا اور پھر ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام وانصرام کو بہتر ومؤثر بنانے کے لیے گجرات سے لے کر دکن تک مختلف انتظامی حلقے کے ساتھ گجرات، دکن اور مالوہ کے طول وعرض میں آباد ہوگئے؛ جنہوں نے معاملاتِ زندگی طے کرتے ہوئے سیاسی ومعاشرتی تقاضوں کے تحت اپنے ساتھ لائی ہوئی زبان میں ان علاقوں کی مقامی زبانوں اور عربی، فارسی وترکی کے الفاظ شامل کر کے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنا شروع کیا اور اس طرح نئے ماحول میں اس زبان کو قابلِ قبول بنا دیا۔

اردو زبان عوام کی آغوش میں آنکھیں کھولیں، عوام کے ہاتھوں پروان چڑھی اور ہندوستان کی مختلف مروجہ زبانوں کو سمیٹ کر اپنے لیے ایک نیا خاکہ تیار کرتی رہی اور اپنی خصوصیت وانفرادیت کی وجہ سے برابر ترقی کی طرف بڑھتی رہی؛ یہاں تک کہ جب بابر ہندوستان آیا تو یہ اپنی ایک خاص امتیازی صورت اختیار کرچکی تھی۔ اسی طرح یہ اپنے امتیاز وانفرادیت کے ساتھ آگے بڑھتی رہی اور شاہ جہاں کے دورِ اقتدار میں اس کا عروج اتنا ہوا اور اس کا زور اتنا بڑھا کہ شاہ جہاں کی نسبت سے اس کی ایک پہچان بن گئی اور اسے ''شاہ جہانی اردو'' کہا جانے لگا۔ اور سب سے زیادہ اورنگ زیب کے زمانے میں اس زبان کو اس کے شایانِ شان اہمیت دی گئی اور اسے شاہی دربار میں ایک مقام حاصل ہوا، جس کی وجہ سے اس کو ''اردوئے شاہی'' کے نام سے بھی یاد کیا جانے لگا۔ ہندوستان کی سرزمین پر مسلم بادشاہوں کی آمد اور مسلم اقوام کے پھیلاؤ سے یہاں زندگی کی گہما گہمی اور تہذیب کی ہماہمی کا آغاز ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کی تشکیل وترویج کا لسانی عمل شروع ہوتا ہے، جس کی ابتدا سندھ وملتان سے ہوتی ہے اور پھر یہ پھیل کر سرحد، پنجاب، دہلی اور دکن تک پہونچ جاتا ہے۔ اور قطب الدین ایبک سے ابراہیم لودھی کے زمانے تک اس کے اثرات اتنے واضح ہوجاتے ہیں کہ یہ زبان ایک نئے سانچے میں ڈھل کر اپنا ایک مستقل رنگ روپ دھار لیتی ہے اور ایک مشترک بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے اپنے آپ منوا لیتی ہے۔ اردو زبان وادب کی تاریخ نویس شمس اللہ قادری کہتے ہیں: ''سلطان محمد تغلق کے زمانے میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصۂ دراز سے یہاں بود وباش اختیار کرلی تھی، اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے''۔

گیارھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں صدی عیسوی تک ہماری اردو زبان مسلمانوں کے ساتھ ساتھ برّ عظیم کے دور دراز گوشوں تک پہونچ کر سارے علاقوں کے لیے ایک واحد مشترک بین الاقوامی زبان بن چکی تھی۔ حافظ محمد شیرانی فرماتے ہیں: ''مسلمان اقوام نے ہندوستان میں اپنے لیے ایک زبان مخصوص کرلی ہے اور جوں جوں ان کے مقبوضات فتوحات کے ذریعے سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں، یہ زبان بھی ان کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مشرق و مغرب اور شمال وجنوب میں پھیلتی جاتی ہے''۔ اردو زبان کی ترویج واشاعت میں لشکروں اور فوجیوں کا بھی بہت کچھ حصہ رہا ہے۔ کیوں کہ شاہی لشکر اپنے مہم کے لیے جن جن علاقوں میں جاتے رہے، ان کے ساتھ وہاں کے گوشے گوشے میں یہ زبان پہونچتی اور پھیلتی رہی اور اس طرح اس کی شہرت ومقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے تعاون سے بھی اس زبان کو بڑا فروغ ملا۔ کیونکہ بزرگوں نے دین واخلاق کی تبلیغ کے لیے اس زبان کو خوب استعمال فرمایا۔ قوالی، سماع، شاعری، درسِ اخلاق اور خیالات کی اشاعت میں اس زبان سے خوب خوب کام لیا؛ جس سے اس زبان کو سندِ اعتبار حاصل ہوئی اور اس کی عظمت ورفعت کو چار چاند لگ گئے۔

مذکورہ بالا تاریخی واقعات وعوامل نے مل کر اردو زبان کے لیے ایسی سازگار فضا اور موافق ماحول پیدا کردی، جس میں یہ زبان پلی بڑھی، پھولی پھلی، نشو ونما پائی اور تیزی سے ترقی کے زینے طے کرتی ہوئی شہرت کے بامِ عروج کو پہونچ گئی۔ عام معاملاتِ زندگی اور شاہی دربار کے مختلف طبقوں کے درمیان وسیلۂ اظہار بنی اور شمال سے لے کر دکن وگجرات تک اور کوہِ ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک بولی اور سمجھی جانے لگی وار آج ہمارے درمیان یہ زبان ''عربی ایرانی ہندی'' ان تینوں تہذیبوں کا سنگم اور ان کی منفرد علامت کے طور پر سکۂ رائج الوقت بنی ہوئی ہے۔

ارتداد کے بڑھتے واقعات اور اس کیلئے لائحہ عمل

سید سرفراز احمد

جس برق رفتاری سے دنیا ترقی کے منازل طئے کررہی ہے، اتنی ہی تیز رفتاری سے برائیاں عام ہوتی جارہی ہیں، جدید ٹکنالوجی نے انسان کو آرام دہ ماحول فراہم کیا جسکے سبب وہ کام سے جی چرانے کا عادی بن چکا ہے، برائیوں کی طرف آسانی سے لپک رہا ہے، جدید ٹکنالوجی میں سب سے اہم کردار سوشیل میڈیا کا ہے جو ایک طرف ترقی یافتہ بھی بنارہا ہے تو دوسری طرف اخلاقی گراوٹ میں اپنا اہم رول ادا کررہا ہے؛ لیکن اس ماحول کا تعلق افراد کی تربیت سے ہوتا ہے، چونکہ کہا جاتا ہے کسی بھی قوم کی ترقی کا راز نسلوں کی تربیت میں پوشیدہ ہے، اگر نسلوں کی تربیت نہ ہو تو وہ قوم ضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں غرق ہوجاتی ہے، اگر ہم مسلم معاشرے کی بات کریں تو اس معاشرے میں ہمہ اقسام کی درجنوں برائیاں عام ہوتی جارہی ہیں؛ لیکن ان سب برائیوں میں ارتداد، بے راہ روی جیسی برائی جو دین فطرت میں گناہ عظیم ہے، جو معاشرے میں مرکزی دھارے کا کردار ادا کررہی ہے، یہ ایک انتہائی حساس موضوع ہے جسکا تعلق براہ راست ایمان سے ہوتا ہے، جس پر پچھلے کئی سال سے اس عنوان پر درجنوں مضامین لکھے گئے اور لکھے بھی جارہے ہیں، یہ ایک خوش آئند اقدام ہے کہ امت مسلمہ کا باشعور طبقہ پوری شعوری کیفیت کے ساتھ بیدار ہے اور معاشرے کو بھی بیدار کررہا ہے؛ لیکن پھر بھی اسطرح کے واقعات میں کوئی روک تھام نظر نہیں آرہی ہے۔

موجودہ صورتحال پر اگر روشنی ڈالی جائے تو مسلم معاشرے میں ارتداد کے دو طرح کی شکلیں سامنے آرہی ہیں، ایک داخلی، دوسرا خارجی، داخلی یہ ہے کہ امت میں کئی ایسے فتنے وجود میں آچکے ہیں جو منکر حق ہیں، جس میں قادیانی، شکیل بن حنیف، گوہر شاہی کے علاوہ دیگر بھی ہیں، حالیہ کچھ دنوں قبل سوشیل میڈیا پر فتنہ شکیل بن حنیف کے حامیوں کو کرناٹک کے علاقہ سے پکڑنے کی ویڈیوز تیزی سے وائرل ہورہے تھے، جو مختلف علاقوں میں کاروبار کی غرض سے پہنچ کر ناخواندہ مسلم بستیوں میں اس فتنے کو وسعت دینے کا کام کررہے ہیں، یہ فتنے دراصل مغربی سازشوں کا یا اندرون ملک مسلم مخالف سازشوں کیلئے دلال کے طور پر کام کررہے ہیں، جو ناخواندہ مسلم بستیوں میں پہنچ کر کچھ روپیوں کا لالچ دیکر انھیں دائرے اسلام اور ایمان سے منکر بنانے کی کوشش کررہے ہیں، دراصل یہ وہ تریاق ہے جو آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے، اس سے پہلے کہ اسکے مضر اثرات مسلم معاشرے پر حاوی ہوں، تعلیم یافتہ نوجوان اپنے اپنے علاقوں میں کڑی نظر رکھیں اور ان علاقوں پر بھی نظر رکھیں جہاں دین سے دوری اور غیر تعلیم یافتہ خاندان بستے ہیں، ان میں دینی شعور اور اصلاح کا کام بھی کیا جائے، چونکہ قرآن نے امت مسلمہ کو خیر امت کے لقب سے سرفراز کیا ہے، جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، لہذا یہ کام متحدہ طور پر کیا جائے بالخصوص ایمان سے پھیر دینے والی چیز ارتداد کے بارے میں آگاہ کیا جائے، جمعہ کے خطبوں کے ذریعہ اس موضوع کو پیش کیا جائے، ممکن ہے کہ اس سے مسلم معاشرے کی صلاح ہوجائے، ارتداد کا جو دوسرا پہلو ہے، وہ ہے خارجی یعنی مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے فریب والی محبت کا شکار ہوکر دائرے اسلام سے خارج ہورہی ہیں، آپ اسے سازش مان لیں یا نفسانی خواہشات، لیکن یہ واقعات ملک کے طول اور عرض میں بڑھتے جارہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں ملک کی الگ الگ ریاستوں میں ارتداد کے بے شمار واقعات منظر پر آئے ہیں جو ایک وباء کی طرح پھیلتے جارہے ہیں، کچھ واقعات ایسے بھی سننے اور دیکھنے کو ملے ہیں جو ایمانی دلوں کو مضطرب کردینے والے ہیں، اتر پردیش میں ارتداد کا شکار مسلم لڑکی نے ہندو طبقہ کے لڑکے سے شادی کرنے کے بعد کہتی ہے کہ اب میں بندشوں سے آزاد ہوچکی ہوں، کچھ ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں جو لڑکی مرتد ہوکر ظلم کا شکار ہوجاتی ہے، پھر اس لڑکی کو چھوڑ دیا جاتا ہے وہ متاثرہ لڑکی بعد میں اپنے کیئے پر پچھتاوا کرتی ہے، اس سے پہلے کہ وہ پچھتاوا کرتی، وہ حد سے تجاوز کرچکی تھی ایسا بھی نہیں ہے کہ ارتداد کے معاملات بہت زیادہ رونما ہورہے ہوں، لیکن اگر مسلم معاشرے میں اسطرح کا ایک بھی واقعہ رونما ہوتا ہو تو وہ اس مسلم معاشرے کیلئے لمحہ فکریہ ہے، لیکن سچائی یہ بھی ہے کہ جتنے بھی واقعات سامنے آرہے ہیں اسمیں غیر تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ لڑکیاں بھی شامل ہیں، اب یہ تو اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے کہ وہ دینی تعلیم سے تک کتنی آراستہ تھیں، اگر ان ارتداد کا شکار لڑکیوں کے ماحول کا جائزہ لیا جائے تو بھی یہ قیاس لگانا مشکل ترین ہوجاتا ہے کہ تعلیم یافتہ ماحول کی بھی لڑکیاں کس طرح مرتد ہورہی ہیں، ہاں! اسمیں کچھ لڑکیاں اس طبقہ سے بھی تعلق رکھتی ہیں جنکے ماحول کا دور دور تک بھی دین سے تعلق نہیں ہے، وہ دینی تعلیم کو نہیں جانتی ہے جسکی وجہ سے انھیں جو ماحول میسر ہورہا ہے وہ اسی ماحول میں ڈھل کر دین اسلام سے دور جانے میں کوئی عار نہیں سمجھتی، اس معاملہ میں مجموعی طور پر جو سب سے بڑا فقدان نظر آتا ہے اس میں سب سے اہم والدین کی اولاد کے حق میں تربیت اگرچہ گھر کے ماحول کو بدل دیں تو مزاج اور عادتوں کو بدلنا بہت آسان ہوگا گھروں میں دینی مزاج کو پروان چڑھانے کیلئے والدین اپنی اولاد کو نماز کا پابند بنائے، افراد خاندان کے ساتھ درس قرآن یا تلاوت وترجمانی احادیث کا مطالعہ، کبھی سیرت کے واقعات، ذکر واذکار کی محفلیں سجائیں، غرض یہ کہ اپنے بچوں کو قرآن وحدیث سے شغف پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، جس سے افراد خاندان میں اور گھر کے ماحول میں تقوی جیسی عظیم صفت پیدا کی جاسکتی ہے، دوسرا والدین کی اولاد پر کڑی نگرانی، راتوں میں تنہا نہ چھوڑنا، خواہ وہ لڑکا ہو کہ لڑکی، چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کے بجائے اصلاح کروانا وہ بھی اسوہ رسول سے یا صحابہ کے واقعات سے نرمی کے ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی سختی سے بھی پیش آنا چاہیئے، تاکہ کسی منفی کام کی طرف راغب ہونے سے پہلے خوف خدا یاد آجائے یا والدین کی نصیحت یاد آجائے سب سے اہم کام اپنے بچوں کو روحانی غذا کے طور پر عمدہ کتابوں کا انتخاب کرکے انھیں تحفہ پیش کریں اور وقفہ وقفہ سے انکے مطالعہ کے معیار کا جائزہ لیں اور ان سے حاصل مطالعہ سنیں، تیسری چیز یہ کہ اپنے بچوں کیلئے معیاری تعلیمی ادارے کا انتخاب کریں اور وقفہ وقفہ سے اس ادارے کی تعلیمی صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنے بچوں سے اس تعلیمی ادارے کی ہر زوایئے سے احوال دریافت کرتے رہیں، کیونکہ یہ وہ باریک اور اہم نکتہ ہے جس میں اکثر و بیشتر والدین اپنے بچوں کے تعلیمی ادارے کی سرگرمیوں سے ناآشنا ہوتے ہیں اور بچے بھی والدین کو کچھ بتانے سے بھی پس وپیش کرتے ہیں، جس میں یہ پتہ ہی نہیں چل پاتا کہ ہمارے بچوں میں کونسی برائی جنم لے رہی ہے یا وہ کس ماحول کی طرف پرکشش بنتے جارہے ہیں، انتہا یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ والدین کے سامنے اچانک منفی نتائج ہی برآمد ہوجاتے ہیں جو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے، کیونکہ اسطرح کے واقعات بھی حقیقت میں منظر پر آچکے ہیں، بعض واقعات ایسے بھی ہیں کہ کالج تفریح کے نام پر ہماری لڑکیاں باہر جاتی ہیں اور وہاں فحش کاموں میں ملوث ہوجاتی ہیں جن کا علم والدین کو دور دور تک بھی نہیں چلتا، لہذا والدین کی سب سے اہم ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے ماحول کے ساتھ ساتھ بچوں کے باہر کے ماحول پر بھی کڑی نظر جمائے رکھے اگر ارتداد کی روک تھام کیلئے اجتماعی صورتحال دیکھی جائے تو مختلف دینی جماعتیں وملی تنظیمیں اس کیلئے اصلاحی کاموں کو انجام دے رہی ہیں، اسکو مزید بہتر بنانے کیلئے اور بھی زمینی کاموں کو انجام دینا انتہائی ناگزیر ہے، جس میں اہم کام ایسے علاقے جہاں دین سے بے رغبتی پائی جاتی ہے، جہاں دینی واسلامی مزاج کا شعور نہیں ہے، وہاں بستی بستی پہنچ کر اصلاح کا کام کیا جائے خاص طور پر خواتین ولڑکیوں کو، خواتین کی دینی تنظیموں یا جماعتوں سے جوڑنے کی مہم چلائی جائے، ٹکنالوجی کے اس دور میں یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ کوئی گھر اسمارٹ فون سے بچا ہو، سوشیل میڈیا پر دانشوران ملت کی جانب سے ایک رائے یہ بھی ہے کہ خواتین اور لڑکیوں کو دین سے رغبت پیدا کرنے کیلئے تعلیم یافتہ یا دینی شعور رکھنے والی خواتین کے زیر نگرانی واٹس ایپ گروپس تشکیل دے کر ان کیلئے اصلاح کا سامان میسر کیا جائے خواتین کے دینی اجتماعات چلائے جائیں مختصراً یہ کہ ہر والدین اپنے بچوں کو بیشتر وقت دینی کاموں اور گھر کے کام کاج میں مصروف رکھنے کی کوشش کریں کیونکہ خالی دماغ شیطان کی آماجگاہ بن جاتا ہے، اگر ان امور پر عمل آواری ہوجائے تو ایک مثالی خاندان کے ساتھ ساتھ ایک مثالی معاشرے کے خواب کو بھی حقیقت میں بدلا جاسکتا ہے، کیونکہ ان سب کا حل ان ہی میں موجود ہے۔

دنیا میں گناہوں کے نقصانات

مفتی زہیر احمد قاسمی

گناہ کے اپنے اثرات ہوتے ہیں، بندہ چاہے کتنی ہی رازدارانہ طریقے شسے گناہ کرے اس کی سزا اس کو ضرور ملے گی، جو گناہ کرے گا اثرات کو روک نہیں سکتا یہ دونوں لازم ملزوم ہیں، تو جہاں گناہ ہوگا وہاں اس کا بد اثر ضرور ہوگا تاہم کچھ اثرات ایسے ہیں جو واضح نظر آتے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ **علم نافع سے محرومی:** گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی علم نافع سے محروم ہوجاتا ہے۔ ایک ہوتا ہے علم اور ایک ہوتا ہے معلومات دونوں میں فرق ہے، معلومات تو ہر بندے کو ہوتی ہے چاہے مومن ہو یا کافر اور علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہ آئے اگر ایسا ہے تو علم ورنہ معلومات ہے۔ **اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ** کیا دیکھا آپ نے اسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کردیا۔ یہ علم نافع نہیں تھا بلکہ معلومات تھی۔ **معصیت سے حافظہ میں کمزوری:** حضرت امام شافعیؒ نے اپنے استاذ امام وکیع سے پوچھا بھول جاتا ہوں انہوں نے کہا کہ گناہ نہ کیا کرو۔ کیونکہ علم اللہ کا نور ہے جو گنہ گاروں کے دل میں عطاء نہیں کیا جاتا۔ جب دل میں ظلمت ہوگی تو پھر علم رخصت ہوجائے گا۔ جہاں عصیان ہوگا، وہاں نسیان ہوگا اس لئے آج کوئی حافظ الحدیث نہیں۔ **رزق میں تنگی:** ایک گناہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حلال رزق میں تنگی کردی جاتی ہے۔ **وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا** جو ہماری یاد سے اعراض کرے گا ہم اس کی معیشت کو تنگ کردیں گے یعنی اوپر سے تو بڑا مالدار نظر آرہا ہوتا ہے، لیکن اندر سے پریشان، قرضہ لون وغیرہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک گاؤں والوں کی مثال بیان کی ہے ”**وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ**“۔
اللہ سے دوری: ایک گناہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گناہ کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ سے وحشت سی ہوجاتی ہے وہ جو انس ہوتا ہے پیار ہوتا ہے، محبت ہوتی ہے وہ سب ختم، دل نہیں لگتا نہ اس کے ذکر میں نہ اللہ کی باتوں میں نہ اللہ والوں کے پاس نہ نماز پڑھنے کا دل کرتا۔ سجدہ کرنا ایک مصیبت نظر آتی ہے، **انسانوں سے وحشت:** گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ بندے لوگوں سے بھی وحشت ہوتی ہے، ایک انجانہ سا خوف ہوتا ہے لوگوں سے ملنا جلنا بھی اس کو مصیبت نظر آتی ہے، **بنتے کاموں کا بگڑھنا:** گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کے لیے کامیابی کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، کوئی کام انجام تک نہیں پہونچتا ایک روایت میں ہے کہ اے بندے ایک تیری مرضی ہے ایک میری مرضی ہے، اگر تو چاہے کہ تیری مرضی پوری ہو تو میں تجھے تھکا دوں گا اور تیری مرضی بھی پوری نہیں ہونے دوں گا اور اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو میری مرضی ہے تو اے بندے میں تیرے کاموں میں تیری کفایت کروں گا اور تیری مرضی بھی پوری کروں گا۔

گناہوں کی وجہ سے انسان پر کامیابی کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، تقویٰ سے یہ دروازے کھلتے ہیں ”**وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ**“۔ **لذت قلبی سے محرومی:** گناہوں کی وجہ سے بندے کو اپنے قلب کے اندر کوئی حلاوت محسوس نہیں ہوتی، گناہ کرے تو برا نہیں لگتا، نیکی کرے تو اچھی نہیں لگتی کوئی کیفیت ہی نہیں جیسے پتھر۔ پھر کہتے ہیں ہمیں رونا نہیں آتا کیسے رونا آئے گا، گناہوں نے آنکھوں سے آنسو خشک کردیا ہے، **قلب وجسم کی کمزوری:** گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ بندے کا بدن اور دل اندر سے کمزور ہوجاتے ہیں، دیکھنے میں بڑے نظر آئیں گے اندر بزدلی ہوگی، بہادری چھین لی جاتی ہے، امور خیر میں ان کی ہمت گھٹ جاتی ہے ان کے دل میں رعب اور وہن آجاتا ہے، **طاعت سے محرومی:** ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ گناہ کرنے والا بندہ طاعت سے محروم ہوجاتا ہے، آج ایک گناہ کیا ایک نیکی سے محروم ہوا، دوسرا کیا دوسری نیکی سے محروم ہوا، اس طرح وہ بہت سی طاعات سے محروم ہوجاتا ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ گناہ سے انسان کی عمر گھٹا دی جاتی ہے، **گناہوں کا تسلسل:** ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک گناہ کی وجہ سے دو بڑے گناہ کا دروازہ کھلتا ہے، بندہ سمجھتا ہے بس میں ایک دفعہ یہ کام کرلوں پھر نہیں کروں گا وہ ایک دفعہ کا کام کرنا اگلے گناہ کا دروازہ کھول دیتا ہے، **توبہ کی توفیق کا چھن جانا:** گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے آج کل کرتا رہتا ہے توبہ کروں گا توبہ کی توفیق نہیں ملتی اگر کسی بندے کو توبہ کی توفیق مل جائے تو یہ بھی اللہ کی عنایت ہے۔ ایک بزرگ نے لکھا ہے اے دوست! تیرا توبہ کی امید پر گناہ کرتے رہنا اور زندگی کی امید پر توبہ کو موخر کرتے رہنا تیرے عقل کا چراغ گل ہونے کی دلیل ہے **گناہ کو کچھ نہ سمجھنا:** گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ گناہ کی برائی کا احساس دل سے نکل جاتا ہے یعنی گناہ سے جو نفرت ہوتی ہے وہ نکال لی جاتی ہے پھر بندہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا جیسے آج کل لوگ فحش کلامی کرتے ہیں ٹی وی دیکھتے ان کو برا ہی نہیں لگتا، عجیب بات یہ ہے کہ یہ احساس اتنا ختم ہوجاتا ہے کہ بندہ پھر اپنے گناہوں کو فخریہ انداز میں بیان کرتا ہے، تو کئی مرتبہ اس کی زبان سے کلمات کفریہ کا ارتکاب ہوجاتا ہے اور ایمان سلب ہوجاتا ہے، **اللہ کے یہاں بے عزت:** گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اللہ رب العزت کی نظروں سے گرجاتا ہے۔ کتنی بڑی ہے یہ سزا کہ بندہ شہنشاہ حقیقی کی نگاہوں سے گرجائے (**وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ**) جسے ہم ذلیل کرنے پر آتے ہیں اسے پھر عزت دینے والا کوئی نہیں اللہ رب العزت کی پکڑ بہت بڑی اور بہت ہوتی ہے۔

معاملہ نمبر ۲۰/۵۰۲/۱۴۴۴ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ بالا ساتھ، سیتامڑھی)

رینا خاتون بنت عبدالشکور، مقام مداری پور، وارڈ نمبر ۳، ڈاکخانہ مداری پور، ضلع سیتامڑھی۔۔۔۔فریق اول

بنام

محمد سلمان ولد نور محمد، مقام بسول، وارڈ نمبر ۳، ڈاکخانہ بڑی پھلوریہ، ضلع سیتامڑھی۔۔۔۔۔۔۔۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دارالقضاء امارت شرعیہ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالا ساتھ، سیتامڑھی میں سات سال سے غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادانہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، لہذا اس اعلان کے ذریعے آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دارالقضاء کو دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲۸/رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۰/فروری ۲۰۲۳ء بوقت ۹/بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔فقط۔
قاضی شریعت

معاملہ نمبر ۲۹/۱۱۳۲۳/۱۴۴۴ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ مدرسہ رحمانیہ سوپول)

وسیلہ خاتون عرف اسیلہ بنت محمد ہارون، مقام وڈاکخانہ بگرس، ضلع دربھنگہ۔۔۔۔فریق اول

بنام

محمد ثناء اللہ ولد محمد منت اللہ، مقام وڈاکخانہ جمالپور، ضلع دربھنگہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دارالقضاء امارت شرعیہ مدرسہ رحمانیہ سوپول، بیرول، ضلع دربھنگہ میں عرصہ ڈیڑھ سال سے غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادانہ کرنے کی بنیاد پر فسخ نکاح کا مطالبہ کیا ہے، لہذا اس اعلان کے ذریعے آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دارالقضاء کو دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۱۴/فروری ۲۰۲۳ء مطابق ۲۲/رجب المرجب ۱۴۴۴ھ روز منگل کو آپ خود مع گواہان وثبوت بوقت ۹/بجے دن مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔فقط۔قاضی شریعت

نعتیہ کلام

نتیجۂ فکر: مفتی محمد جہانگیر تائب باب نوروی

دین احمد پہ چل کر نکھر جائیں گے	اوراحوال سارے سنورجائیں گے
ان کے اخلاق پہ خود کو ڈھالیں جو ہم	چاہے بگڑے ہیں کتنے سدھرجائیں گے
ہے یہ امید کامل ہمیں حشر میں	لے کے فردوس خیر البشرجائیں گے
ہوحضوری کا ہم کوشرف جب کبھی	پوری عظمت سے طیبہ نگر جائیں گے
ہے یہ مفہوم آقا کے فرمان کا	روز محشر نہیں مال وزرجائیں گے
صاحب قاب قوسین جب آپ ہیں	روشنی لینے ان کے ہی درجائیں گے
ہم غلام نبی کے حسیں نقش پر	چل کے ہر پیچ وخم سے گزرجائیں گے
ڈر نہیں ان گدائے نبی کو کبھی	زندگی میں جو راہ عمر جائیں گے
ہم محبان اصحاب آقا ہوئے	رخ جدھر ان کا ہو ہم ادھرجائیں گے
زیر ہوکر رہیں گے عدوان دین	عاشق مصطفیٰ جب بپھر جائیں گے

اشتہارات کے لئے رابطہ کریں

ہفتہ وار نقیب امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان ہے جو تقریباً سو سالوں سے مسلسل شائع ہورہا ہے، اللہ کا فضل وکرم ہے کہ ملک و بیرون ملک میں قارئین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے، اس کی عمدہ طباعت، معیاری مضامین اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں، ادارہ قارئین نقیب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے

مدارس، اسکول، کالج، ہاسپیٹل، میڈیکل اور دکان وغیرہ کے لئے رعایتی قیمت پر غیر تصویری اشتہارات

(Advertisements)

دے کر اپنے ادارہ اور کاروبار کو فروغ دے سکتے ہیں، نیز ادارہ نقیب کے اعزازی ممبران سے بھی درخواست کرتا ہے کہ وہ نقیب کی اشاعت میں مالی مدد کریں۔ضروری معلومات کے لیے رابطہ کریں:

9576507798,8405997542

Email:. naqueeb.imarat@gmail.com

(منیجر نقیب)

(بقیہ صفحہ اول)

انھیں یہ بھی خیال نہیں رہا کہ جب قانون سازی کا حق عوام کو دے دیا جائے گا تو ہر قوم اپنے مفادات اور حالات کے اعتبار سے قوانین بنائے گی اور اگر یہ کام مجلس قانون ساز کے ذمہ بھی کر دیا جائے گا تو بھی اس کے ارکان اپنے کو ذات پات کے حدود، قبائلی، علاقائی، لسانی، اور جغرافیائی حصار سے الگ نہیں کرسکیں گے، نتیجتاً ایسا قانون کبھی بن ہی نہیں سکے گا جو تمام طبقے کے لیے موزوں اور مناسب ہو، کہیں ایک جمہوریت دوسری جمہوریت سے ٹکرا جائے گی، اور کہیں فرد کی بے لگام آزادی افکار وعمل کی ہم آہنگی کو پارہ پارہ کردے گی اور اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہوسکا تو بھی مغربی جمہوریت میں قومیت کا عنصر اتنا غالب ہے کہ وہ پوری عالم انسانیت کو ایک رشتے میں کبھی بھی منسلک نہیں ہونے دے گی۔ اور انسان کبھی بھی جاہلیت کے قومی تعصب اور نسلی امتیاز کے ریشمی قبا کو چاک نہیں کر سکے گا اور جب تک تعصب کی یہ چادر باقی رہے گی امن وشانتی کی تمام تدبیریں ریت کی دیواروں کی طرح ہباءً منثورہ ہوتی رہیں گی۔

شخصی حاکمیت کا نعم البدل: ان حالات میں آج دنیا کو ایک ایسے نظام حکومت کی ضرورت ہے، جو مندرجہ بالا خرابیوں سے پاک وصاف ہو، اور وہ صرف اسلامی نظام حکومت ہے، اسلام بنیادی طور پر قانون سازی کا حق (RuletoRight) ایک ایسے قادر مطلق کے لیے ثابت کرتا ہے، جس کے نزدیک امیر، غریب، عورت، مرد، کالے، گورے، شیعہ، سنّی، عرب وعجم، یونانی تورانی سب کے سب برابر ہیں، اس کے نزدیک نہ تو طبقاتی کشمکش ہے اور نہ اپنے حقوق محفوظ رکھنے کا کوئی سوال، وہ جمہوریت کا قائل ہے، لیکن ایسی جمہوریت کا نہیں جو تمام دنیا کو خونی آماجگاہ بنادے، بلکہ وہ اپنی حکومت انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے انسانوں کے ہاتھوں سے چلواتا ہے، گویا کہ اسلام کے نظریہ سیاسی میں عوامی حکومت (The of Government People) کے بجائے خدائی حکومت (GodTheofGovernment) کا تصور غالب ہے اور اسی لیے اس نے انسانوں کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے، خدائی قانون کے علاوہ کسی بھی انسانی قوانین کو وہ جھوٹ، کذب، اور بہتان طرازی سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ تمام دنیا کے لوگوں کو ایک قانون اور اٹل دستور کا پابند کرنا چاہتا ہے اور تمام غیر خدائی قوانین سے گریز کا حکم دیتا ہے: وہ کہتا ہے کہ حکمرانی خدا ہی کی ہے، وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی حکومت بطور خلافت اس کے ذمہ کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ وہ اپنی حکومت سے تمام شرکاء کی نفی کرتا ہے ولم یکن لہ شریک فی الملک، وہ بار بار آگاہ کرتا ہے کہ حکومت اسی کی ہے اور خلق بھی اسی کا ہے، الا لہ الخلق والامر اور پھر بھی اگر لوگ نہ مانیں اور اپنی حکمرانی ہی پر مصر ہوں تو اسلام آخری اور حتمی فیصلہ سنا دیتا ہے: کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔

(بقیہ کتابوں کی دنیا)

میں کہیں سر جھکا نہیں سکتا   دل میں رکھتے ہیں بندگی کا مزاج

بندگی کا یہ مزاج ہمیں آخرت سے قریب کرتا ہے اور اس احساس کو تقویت پہونچاتا ہے کہ مرنے کے بعد سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور بندہ اللہ کے یہاں خالی ہاتھ ہی جائے گا۔

آخر وہ خالی ہاتھ گیا دیکھ لو جمال   حاصل کیا تھا اس کے جو سامان رہ گیا

جمال ندولوی کے یہاں بعض ترکیبیں بہت خوبصورت انداز میں شعر میں ڈھل گئی ہیں، خوشیوں کی جاگیریں اور غم کی سلطانی کو ایک ہی شعر میں دیکھیے اور اس ادبی صنعت کی برجستگی پر سر دھنیے:

تمہیں خوشیوں کی جاگیریں مبارک   مجھے غم کی سلطانی بہت ہے

اور یہ شعر بھی اس غزل کا بہت خوب ہے:

پرندے زخم کھا کر اڑ رہے ہیں   ہواؤں کو پشیمانی بہت ہے

یہ چند اشعار بطور نمونہ درج کیے گیے، ورنہ جمال ندولوی کے اس مجموعہ میں اس قسم کے اشعار بہت ہیں، جن میں تخیل کی رفعت، فکر کی ندرت، فن کی جولانی پورے طور پر موجود ہے جس سے قارئین کے دل ودماغ پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہونے کی توقع ہے۔

جمال ندولوی اللہ کو پیارے ہوگیے، ان کے صاحب زادہ نیر اعظم اس کی طباعت کی طرف متوجہ ہوئے اور والد کے کلام کو ضائع ہونے سے بچالیا، اس کے لیے وہ ہم سب کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہے، ایسی اولاد قسمت والوں کو ہی ملا کرتی ہے۔

ہفتۂ رفتہ

محمد اظہار

مسلم قیدیوں میں وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان

یوں تو ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنے کا حق سب کو ہے لیکن قیدیوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت عدالت اور جیل سپرنٹنڈنٹ سے طلب کرنی پڑتی ہے اور اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ قیدیوں کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ سے بھی رجوع ہونا پڑتا ہے، کیونکہ عدالت کی اجازت کے بغیر کالج انہیں ایڈمیشن نہیں دیتے۔ دہشت گردی کے جھوٹے الزامات کا سامنا کررہے ملزمین جیل میں اپنے بیشتر اوقات پڑھائی لکھائی کرکے گذار رہے ہیں، بیشتر ملزمین نے مختلف کورسیس میں ماسٹر ڈگری حاصل کی ہے تو کچھ ملزمین وکالت کی تعلیم بھی مکمل کرچکے ہیں، گذشتہ دنوں ہی 13/7 ممبئی سلسلہ وار بم دھماکہ معاملے کے ملزم ندیم اختر نے ممبئی یونیورسٹی سے اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کی ہے اور اب وہ باقاعدہ طور پر مہاراشٹر بارکونسل سے رکنیت حاصل کرنے جارہے ہیں۔ اس ضمن میں موصولہ اطلاعات کے مطابق ملزم ندیم اختر اور دیگر ملزمین گذشتہ دس سالوں سے زائد عرصہ سے جیل کی سلاخوں کے پیچھے مقید ہیں اور ابتک ان کے مقدمہ کی باقاعدہ سماعت شروع نہیں ہوسکی ہے۔ خصوصی مکوکا عدالت نے ان کی ضمانت عرضداشت خارج کردی ہے، نچلی عدالت کے فیصلہ کے خلاف بامبے ہائی کورٹ میں ضمانت کی اپیل التواء کا شکار ہے۔ یہ پہلا موقع نہیں ہے، جب جیل میں رہتے ہوئے کسی ملزم نے قانون کی تعلیم مکمل کی ہو، اس سے قبل 11/7 ممبئی لوکل ٹرین بم دھماکہ معاملے کے ملزم احتشام قطب الدین صدیقی، عبدالواحید دین محمد، اورنگ آباد اسلحہ ضبطی معاملے کے ملزم ڈاکٹر شریف، پربھنی داعش معاملے کا سامنا کررہے رئیس الدین صدیقی ودیگر نے بھی وکالت کی تعلیم حاصل کی ہے۔ دہشت گردانہ معاملات کا سامنا کررہے مسلم نوجوانوں کا مقدمہ لڑنے والے ایڈوکیٹ شاہد ندیم نے بتایا کہ جیل میں رہتے ہوئے وکالت کی تعلیم حاصل کرنا آسان کام نہیں ہے، ملزمین جیل میں پڑھائی تو کرلیتے ہیں لیکن ایڈمیشن لینے اور امتحان کے وقت امتحان سینٹر پر جانے میں شدید دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حکومت کی جانب سے کوئی رعایت نہ ملنے کے باوجود قیدیوں میں وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے لیکن مختلف پابندیوں کی وجہ سے پریشانی بھی پیش آرہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایڈمیشن لینے سے امتحان دینے اور پھر بارکونسل میں رجسٹریشن کرانے تک عدالت کی اجازت لینا پڑتی ہے۔ (پریس رپورٹ)

الیکشن کمیشن کا ریموٹ ووٹنگ سسٹم تیار

الیکشن کمیشن تارکین وطن ووٹروں کو ریموٹ ووٹنگ کی سہولت فراہم کرنے کے لیے کام کررہا ہے۔ الیکشن کمیشن نے سیاسی جماعتوں کو ریموٹ ای وی ایم سے جڑے پروٹو ٹائپس کے مظاہرہ کے لیے مدعو کیا ہے۔ کمیشن نے آٹھ تسلیم شدہ قومی جماعتوں اور 57 تسلیم شدہ ریاستی جماعتوں کو مدعو کیا ہے۔ اس دوران الیکشن کمیشن کی ٹیکنیکل ایکسپرٹ کمیٹی کے ارکان بھی موجود ہوں گے۔ کانگریس پارٹی نے اس معاملے پر بات چیت کے لیے میٹنگ بلائی تھی۔

جس میں 16 اپوزیشن جماعتوں نے حصہ لیا۔ کانسٹی ٹیوشن کلب میں اپوزیشن کی میٹنگ کے موقع پر کانگریس کے سینئر لیڈر دگ وجے سنگھ نے کہا تھا، "شرکت کرنے والی اپوزیشن جماعتوں نے آر ای وی ایم ایس سے متعلق الیکشن کمیشن کے سامنے رکھے جانے والے سوالات پر غور کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات پر الیکشن کمیشن کے جواب پر اجتماعی طور پر بعد میں اجلاس میں تبادلہ خیال کیا جائے گا اور اپوزیشن جماعتیں اس معاملے پر مشترکہ موقف اختیار کریں گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ سماج وادی پارٹی اور نیشنلسٹ کانگریس پارٹی کسی وجہ سے میٹنگ میں شرکت نہیں کرسکے، لیکن انہوں نے اپنی یکجہتی کا اظہار کیا۔ واضح کردیں کہ مہاجر ووٹروں کے لیے تکنیکی حل تلاش کرنے کے مقصد سے کمیشن نے ای وی ایم کے تبدیل شدہ ورژن کے استعمال کے آپشن کو تلاش کیا ہے۔ اس طرح دیگر ریاستوں میں مقیم ووٹرز کو ووٹ کا حق استعمال کرنے کے لیے اپنے آبائی ضلع میں واپس جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ (ایجنسی)

ٹرین میں مسلم تاجر کے ساتھ ناشائستہ حرکت

اترپردیش کے مرادآباد ضلع کے ایک تاجر کی چلتی ٹرین میں کچھ نوجوانوں کے ذریعہ پٹائی کیے جانے کی ویڈیو سوشل میڈیا پر تیزی سے وائرل ہورہی ہے، جس میں دکھایا جارہا ہے کہ کچھ لوگ مسلم تاجر کے کپڑے اتار کر بیلٹ سے پٹائی کررہے ہیں۔ گذشتہ جمعرات کو دلی سے پرتاپ گڑھ جارہی پدماوت اکسپریس میں کچھ لوگوں نے مسلم تاجر پر چوری کا الزام لگایا اور ہندوؤں کے مذہبی نعرے 'جئے شری رام' نہیں لگانے کے سبب اسے بری طرح بیلٹوں سے پیٹا گیا۔ اس کے بعد متاثرہ کو مرادآباد کے آؤٹر پر اتار دیا۔ ویڈیو وائرل ہونے پر جی آر پی اسکاٹ نے بریلوی ریلوے اسٹیشن پر دو ملزمین کو اتار کر حراست میں لے لیا۔ کٹگھر تھانہ کے پیرزادہ باشندہ عاصم حسین نے بتایا کہ وہ دہلی سے پرتاپ گڑھ جانے والی ٹرین کی جنرل باگی میں دہلی سے مرادآباد کے لیے سوار ہوئے تھے۔ ٹرین میں ہاپوڑ سے کچھ لوگوں نے بھیڑ میں اس کو گھیرا اور اس کو چور بتاتے ہوئے پٹائی شروع کردی۔ (ایجنسی)

ٹرینوں میں سی سی ٹی وی کیمرے لگائے جائیں گے

اب ٹرینوں میں مسافروں کی حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے وزارت ریلوے ایک اور قدم اٹھانے جارہی ہے۔ وزارت ریلوے آنے والے دنوں میں 705 کروڑ روپے کی لاگت سے تقریباً 15000 کوچوں میں سی سی ٹی وی نصب کرنے جارہی ہے۔ یہ کیمرے راجدھانی، دورنتو اور شتابدی جیسی پریمیم ٹرینوں کے ساتھ ساتھ ای ایم یو، ایم ای ایم یو اور ڈی ای ایم یو جیسی مسافر ٹرینوں میں لگائے جائیں گے، ریلوے ان سی سی ٹی وی کے ذریعہ ریلوے کوچ کے دروازے، ویسٹیبول ایریا اور کوریڈور کا احاطہ کرے گا تاکہ ہر قسم کی نقل وحرکت پر نظر رکھی جاسکے۔ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے بچا جاسکے۔ (ایجنسی)

طب وصحت

ذہنی دباؤ کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ ذہنی دباؤ ہماری زندگیوں پر منفی اثر ڈالتا ہے۔ البتہ اکثر لوگ اسے عارضی نفسیاتی خلل تصور کرتے ہوئے نظرانداز کردیتے ہیں۔ ذہنی دباؤ ہماری کوئی بھی کام انجام دینے کی صلاحیت کو متاثر کرنے کے علاوہ ہماری خوش وخرم اور صحت مند زندگی گزارنے کی استعداد بھی کم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جب آپ ذہنی دباؤ کا شکار ہوں گے تو آپ ہر قدم پر خود کو نہ صرف بیمار اور بدمزاج محسوس کریں گے بلکہ آپ کو غصہ بھی زیادہ آئے گا۔ تھکا دینے والے روزمرہ معمولات اور حد سے زیادہ ذمہ داریاں اس صورتحال کو مزید گھمبیر بنادیتی ہیں۔ ایسے میں یہ انتہائی ضروری ہوجاتا ہے کہ آپ زندگی گزارنے کے لیے ایسا راستہ اپنائیں، جس پر چلتے ہوئے آپ اپنے ذہنی دباؤ میں کمی لاسکیں۔ آج ہم آپ کے ساتھ کچھ مفید مشورے شیئر کررہے ہیں، جن پر عمل پیرا ہوکر آپ اپنی مصروف زندگی میں خود کو ذہنی دباؤ سے دور رکھ سکتے ہیں۔

معمولات میں باقاعدگی لائیں: بڑے کہتے ہیں کہ انسان کو زندگی اپنی خواہشات کے بجائے اپنے پروگرام کے مطابق گزارنی چاہیے۔ اپنے روزمرہ معمولات کو منظّم شکل میں رکھنے کے لیے روزانہ یا ہفتہ وار (یا کسی حد تک ماہانہ) بنیاد پر اہم، ترجیحی اور فوری نوعیت کے کاموں کی فہرست ترتیب دیں۔ یہ فہرست آپ کی زندگی کو منظّم کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ اگر آپ نے دن بھر کا پروگرام پہلے سے ترتیب دیا ہوا ہوگا، تو آپ ہر دن کو منظّم انداز میں گزارنے کے قابل ہوجائیں گے۔

دن کا آغاز جلدی کریں: ہر روز صبح بستر سے جلدی اُٹھ جایا کریں۔ بڑوں سے آپ نے یہ ضرور سُن رکھا ہوگا کہ اگر آپ صحت مند، دولت مند اور پُر دماغ رہنا چاہتے ہیں تو رات میں جلدی سونے اور صبح جلدی اُٹھنے کو اپنی عادت بنالیں۔ اپنے روزمرہ معمولات کا ایک شیڈول بنائیں، پھر خود کو اس کے تابع کرلیں، ساتھ ہی اپنے سونے اور اُٹھنے کا وقت مقرر کریں۔ صبح جلدی اُٹھنا نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی طور پر بھی انتہائی فائدہ مند ہوتا ہے۔

مثبت رویے کو فروغ دیں: ایسی چیزوں کی فہرست بنائیں جو آپ کو خوشی اور اُمید دیتی ہیں۔ اس طریقے سے آپ اپنے ذہنی دباؤ سے مثبت انداز میں جان چھڑا سکتے ہیں، یہ خود کو مثبت رویّوں اور سرگرمیوں سے جوڑے رکھنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ مثلاً، آپ کو اپنے قریبی رشتہ داروں (بہن، بھائیوں وغیرہ) سے ہفتے، دو ہفتے میں ملنا اچھا لگتا ہے، سماجی بہبود کی سرگرمیوں میں رضاکارانہ شریک ہونا پسند ہے وغیرہ وغیرہ۔ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے سے بھی آپ کو اطمینان اور ذہنی خوشی محسوس ہوگی۔ آپ ایسی تمام چیزوں کی فہرست بنائیں اور پھر باقاعدگی سے ایسی سرگرمیوں میں خود کو مشغول رکھیں۔

سادگی اپنائیں: اپنے لائف اسٹائل سے لطف اندوز ہونے اور دباؤ سے دور رہنے کے لیے پیچیدگیوں میں نہ اُلجھیں، بلکہ سادگی کو اپنالیں۔ کیا آپ کو پتہ ہے کہ زندگی کی اُلجھنیں اور پیچیدگیاں کس چیز سے بڑھتی ہیں؟ اسکرین (ٹیلی ویژن، لیپ ٹاپس، ٹیبلٹس اور اسمارٹ فونز) زندگی کو پیچیدہ بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور آج کے دور میں اس سے دور رہنا تقریباً ناممکن ہے۔ تاہم آپ یہ کرسکتے ہیں کہ جس وقت آپ اہم کاموں کو انجام دینے میں مصروف ہوں، اس وقت اسکرین کو خود سے دور کرلیں۔

چیلنجز کا مقابلہ کرنا سیکھیں: جب کبھی آپ خود کو غیر متوقع صورتحال میں گِھرا ہوا پائیں یا آپ کے کچھ فیصلے آپ کو مشکل حالات میں لا کھڑا کریں تو اپنی غلطیوں کو تسلیم کریں اور ان پر کُڑھنے کے بجائے جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ جب آپ اپنی غلطیوں اور مشکلات کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ آپ کے دماغ اور شعور پر مثبت اثر ڈالتی ہیں۔ یہ مشق آپ کو مستقبل کی اَن دیکھی مشکل صورتحال کا بہتر طور پر مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔

کام ملتوی کرنا ترک کریں: کہتے ہیں کہ کل کبھی نہیں آتا، اس لیے کوئی بھی کام کل پر مت چھوڑیں۔ جو کام آپ کے ذمہ ہے، اسے ہر ممکن حد تک جلد سے جلد نمٹانے کی کوشش کریں۔ آج کسی بھی کام میں سستی کا نتیجہ کل ذہنی دباؤ اور شرمندگی کی صورت میں آپ کے سامنے آئے گا۔

آرام کیلئے وقت نکالیں: اپنے جسم اور دماغ کو کھولیں۔ جب آپ ذہنی دباؤ کا سامنا کررہے ہیں تو آپ نہ صرف بہت کم سو پاتے ہیں بلکہ آپ کی سانسیں بھی اُکھڑنے لگتی ہیں۔ کام میں مسلسل مصروف رہنا بھی اعصاب شکن ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ آپ نے کام سے فراغت حاصل کرکے اپنے لیے کچھ وقت نکالنا ہے۔ اس طرح آپ پُرسکون رہیں گے اور اچھا محسوس کریں گے۔

توجہ مرکوز رکھیں: اچھی زندگی گزارنے کے لیے اپنے کاموں پر توجہ مرکوز رکھنا بہت اہم ہے۔ کوئی بھی کام انجام دیتے وقت بہتر توجہ سے بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ہر کام پر بھرپور توجہ دیں اور اسے انجام دینے میں اپنی بہترین کوششیں اور توانائیاں صرف کریں۔ اس طرح آپ اپنے کام کو جلد اور مؤثر انداز میں انجام دے سکیں گے۔

خوش رہنے کی کوشش کریں: روزانہ باقاعدگی سے ورزش کرنا خوش رہنے کا مؤثر اور بہترین ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ورزش آپ کے جسم میں 'نیوروٹرانسمٹرز' اور 'کارٹی سول' کو پیدا ہونے سے روکتی ہے، یہ وہ ہارمونز ہیں جو انسانی جسم میں دباؤ پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ نیز، متوازن غذا کھائیں اور دماغ کو غیر ضروری سوچوں میں مت اُلجھائے رکھیں۔

Volume:63/73,Issue:04 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

To

ستم تو یہ ہے کہ ہماری صفوں میں شامل ہیں
چراغ بجھتے ہی خیمہ بدلنے والے لوگ (اقبال اشہر)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

ارتداد کے بڑھتے واقعات اور اس کیلئے لائحہ عمل

سید سرفراز احمد

جس برق رفتاری سے دنیا ترقی کے منازل طئے کر رہی ہے، اتنی ہی تیز رفتاری سے برائیاں عام ہوتی جا رہی ہیں، جدید ٹکنالوجی نے انسان کو آرام دہ ماحول فراہم کیا جسکے سبب وہ کام سے جی چرانے کا عادی بن چکا ہے، برائیوں کی طرف آسانی سے لپک رہا ہے، جدید ٹکنالوجی میں سب سے اہم کردار سوشیل میڈیا کا ہے جو ایک طرف ترقی یافتہ بھی بنا رہا ہے تو دوسری طرف اخلاقی گراوٹ میں اپنا اہم رول ادا کر رہا ہے؛ لیکن اس ماحول کا تعلق افراد کی تربیت سے ہوتا ہے، چونکہ کہا جاتا ہے کسی بھی قوم کی ترقی کا راز نسلوں کی تربیت میں پوشیدہ ہے، اگر نسلوں کی تربیت نہ ہو تو وہ قوم ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں غرق ہو جاتی ہے، اگر ہم مسلم معاشرے کی بات کریں تو اس معاشرے میں ہمہ اقسام کی درجنوں برائیاں عام ہوتی جا رہی ہیں؛ لیکن ان سب برائیوں میں ارتداد، بے راہ روی جیسی برائی جو دین فطرت میں گناہ عظیم ہے، جو معاشرے میں مرکزی دھارے کا کردار ادا کر رہی ہے، یہ ایک انتہائی حساس موضوع ہے جسکا تعلق براہ راست ایمان سے ہوتا ہے، جس پر پچھلے کئی سال سے اس عنوان پر درجنوں مضامین لکھے گئے اور لکھے بھی جا رہے ہیں، یہ ایک خوش آئند اقدام ہے کہ امت مسلمہ کا باشعور طبقہ پوری شعوری کیفیت کے ساتھ بیدار ہے اور معاشرے کو بھی بیدار کر رہا ہے؛ لیکن پھر بھی اسطرح کے واقعات میں کوئی روک تھام نظر نہیں آ رہی ہے۔

موجودہ صورتحال پر اگر روشنی ڈالی جائے تو مسلم معاشرے میں ارتداد کے دو طرح کی شکلیں سامنے آ رہی ہیں، ایک داخلی، دوسرا خارجی، داخلی یہ ہے کہ امت میں کئی ایسے فتنے وجود میں آ چکے ہیں جو منکر حق ہیں، جس میں قادیانی، شکیل بن حنیف، گوہر شاہی کے علاوہ دیگر بھی ہیں، حالیہ کچھ دنوں قبل سوشیل میڈیا پر فتنہ شکیل بن حنیف کے حامیوں کو کرناٹک کے علاقہ سے پکڑنے کی ویڈیوز تیزی سے وائرل ہو رہے تھے، جو مختلف علاقوں میں کاروبار کی غرض سے پہنچ کر ناخواندہ مسلم بستیوں میں اس فتنے کو وسعت دینے کا کام کر رہے ہیں، یہ فتنے دراصل مغربی سازشوں کا یا اندرون ملک مسلم مخالف سازشوں کیلئے دلال کے طور پر کام کر رہے ہیں، جو ناخواندہ مسلم بستیوں میں پہنچ کر کچھ روپیوں کا لالچ دیکر انھیں دائرے اسلام اور ایمان سے منکر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، دراصل یہ وہ تریاق ہے جو آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے، اس سے پہلے کہ اسکے مضر اثرات مسلم معاشرے پر حاوی ہوں، تعلیم یافتہ نوجوان اپنے اپنے علاقوں میں کڑی نظر رکھیں اور ان علاقوں پر بھی نظر رکھیں جہاں دین سے دوری اور غیر تعلیم یافتہ خاندان بستے ہیں، ان میں دینی شعور اور اصلاح کا کام بھی کیا جائے، چونکہ قرآن نے امت مسلمہ کو خیر امت کے لقب سے سرفراز کیا ہے، جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، لہذا یہ کام متحدہ طور پر کیا جائے بالخصوص ایمان سے پھیر دینے والی چیز ارتداد کے بارے میں آگاہ کیا جائے، جمعہ کے خطبوں کے ذریعہ اس موضوع کو پیش کیا جائے، ممکن ہے کہ اس سے مسلم معاشرے کی صلاح ہو جائے۔

ارتداد کا جو دوسرا پہلو ہے، وہ ہے خارجی یعنی مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے فریب والی محبت کا شکار ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو رہی ہیں، آپ اسے سازش مان لیں یا نفسانی خواہشات، لیکن یہ واقعات ملک کے طول اور عرض میں بڑھتے جا رہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں ملک کی الگ الگ ریاستوں میں ارتداد کے بے شمار واقعات منظر پر آئے ہیں جو ایک وباء کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں، کچھ واقعات ایسے بھی سننے اور دیکھنے کو ملے ہیں جو ایمانی دلوں کو مضطرب کر دینے والے ہیں، اتر پردیش میں ارتداد کا شکار مسلم لڑکی نے ہندو طبقہ کے لڑکے سے شادی کرنے کے بعد کہتی ہے کہ اب میں بندشوں سے آزاد ہو چکی ہوں، کچھ ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں جو لڑکی مرتد ہو کر ظلم کا شکار ہو جاتی ہے، پھر اس لڑکی کو چھوڑ دیا جاتا ہے وہ متاثرہ لڑکی بعد میں اپنے کیئے پر پچھتاوا کرتی ہے، اس سے پہلے کہ وہ پچھتاوا کرتی، وہ حد سے تجاوز کر چکی تھی ایسا بھی نہیں ہے کہ ارتداد کے معاملات بہت زیادہ رونما ہو رہے ہوں، لیکن اگر مسلم معاشرے میں اسطرح کا ایک بھی واقعہ رونما ہوتا ہو تو وہ اس مسلم معاشرے کیلئے لمحہ فکر یہ ہے، لیکن سچائی یہ بھی ہے کہ جتنے بھی واقعات سامنے آ رہے ہیں اسمیں غیر تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ لڑکیاں بھی شامل ہیں، اب یہ تو اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے کہ وہ دینی تعلیم سے تک کتنی آراستہ تھیں، اگر ان ارتداد کا شکار لڑکیوں کے ماحول کا جائزہ لیا جائے تو بھی یہ قیاس لگانا مشکل ترین ہو جاتا ہے کہ تعلیم یافتہ ماحول کی بھی لڑکیاں کس طرح مرتد ہو رہی ہیں، ہاں! اسمیں کچھ لڑکیاں اس طبقہ سے بھی تعلق رکھتی ہیں جنکے ماحول کا دور دور تک بھی دین سے تعلق نہیں ہے، وہ دینی تعلیم کو نہیں جانتی ہے جسکی وجہ سے انھیں جو ماحول میسر ہو رہا ہے وہ اسی ماحول میں ڈھل کر دین اسلام سے دور جانے میں کوئی عار نہیں سمجھتی۔

اس معاملہ میں مجموعی طور پر جو سب سے بڑا فقدان نظر آتا ہے اس میں سب سے اہم والدین کی اولاد کے حق میں تربیت اگر چہ گھر کے ماحول کو بدل دیں تو مزاج اور عادتوں کو بدلنا بہت آسان ہوگا گھروں میں دینی مزاج کو پروان چڑھانے کیلئے والدین اپنی اولاد کو نماز کا پابند بنائے، افراد خاندان کے ساتھ درس قرآن یا تلاوت و ترجمانی احادیث کا مطالعہ، کبھی سیرت کے واقعات، ذکر و اذکار کی محفلیں سجائیں، غرض یہ کہ اپنے بچوں کو قرآن و حدیث سے شغف پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، جس سے افراد خاندان میں اور گھر کے ماحول میں تقوی جیسی عظیم صفت پیدا کی جاسکتی ہے، دوسرا والدین کی اولاد پر کڑی نگرانی، راتوں میں تنہا نہ چھوڑنا، خواہ وہ لڑکا ہو کہ لڑکی، چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کے بجائے اصلاح کروانا وہ بھی اسوہ رسول سے یا صحابہ کے واقعات سے نرمی کے ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی سختی سے بھی پیش آنا چاہئے، تاکہ کسی منفی کام کی طرف راغب ہونے سے پہلے خوف خدا یاد آ جائے یا والدین کی نصیحت یاد آ جائے سب سے اہم کام اپنے بچوں کو روحانی غذا کے طور پر عمدہ کتابوں کا انتخاب کر کے انھیں تحفہ پیش کریں اور وقفہ وقفہ سے انکے مطالعہ کے معیار کا جائزہ لیں اور ان سے حاصل مطالعہ سنیں، تیسری چیز یہ کہ اپنے بچوں کیلئے معیاری تعلیمی ادارے کا انتخاب کریں اور وقفہ وقفہ سے اس ادارے کی تعلیمی صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنے بچوں سے اس تعلیمی ادارے کی ہر زاویئے سے احوال دریافت کرتے رہیں، کیونکہ یہ وہ باریک اور اہم نکتہ ہے جس میں اکثر و بیشتر والدین اپنے بچوں کے تعلیمی ادارے کی سرگرمیوں سے ناآشنا ہوتے ہیں اور بچے بھی والدین کو کچھ بتانے سے بھی پس و پیش کرتے ہیں، جس میں یہ پتہ ہی نہیں چل پاتا کہ ہمارے بچوں میں کونسی برائی جنم لے رہی ہے یا وہ کس ماحول کی طرف پر کشش بنتے جا رہے ہیں، انتہا یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ والدین کے سامنے اچانک منفی نتائج ہی برآمد ہو جاتے ہیں جو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے، کیونکہ اسطرح کے واقعات بھی حقیقت میں منظر پر آ چکے ہیں، بعض واقعات ایسے بھی ہیں کہ کالج تفریح کے نام پر ہماری لڑکیاں باہر جاتی ہیں اور وہاں فحش کاموں میں ملوث ہو جاتی ہیں جن کا علم والدین کو دور دور تک بھی نہیں چلتا، لہذا والدین کی سب سے اہم ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے ماحول کے ساتھ ساتھ بچوں کے باہر کے ماحول پر بھی کڑی نظر جمائے رکھے اگر ارتداد کی روک تھام کیلئے اجتماعی صورتحال دیکھی جائے تو مختلف دینی جماعتیں و ملی تنظیمیں اس کیلئے اصلاحی کاموں کو انجام دے رہی ہیں، اسکو مزید بہتر بنانے کیلئے اور بھی زمینی کاموں کو انجام دینا انتہائی ناگزیر ہے، جس میں اہم کام ایسے علاقے جہاں دین سے بے رغبتی پائی جاتی ہے، جہاں دینی و اسلامی مزاج کا شعور نہیں ہے، وہاں بستی بستی پہنچ کر اصلاح کا کام کیا جائے خاص طور پر خواتین و لڑکیوں کو، خواتین کی دینی تنظیموں یا جماعتوں سے جوڑنے کی مہم چلائی جائے، ٹکنالوجی کے اس دور میں یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ کوئی گھر اسمارٹ فون سے بچا ہو، سوشیل میڈیا پر دانشوران ملت کی جانب سے ایک رائے یہ بھی ہے کہ خواتین اور لڑکیوں کو دین سے رغبت پیدا کرنے کیلئے تعلیم یافتہ یا دینی شعور رکھنے والی خواتین کے زیر نگرانی واٹس ایپ گروپس تشکیل دے کر ان کیلئے اصلاح کا سامان میسر کیا جائے خواتین کے دینی اجتماعات چلائے جائیں مختصراً یہ کہ ہر والدین اپنے بچوں کو بیشتر وقت دینی کاموں اور گھر کے کام کاج میں مصروف رکھنے کی کوشش کریں کیونکہ خالی دماغ شیطان کی آماجگاہ بن جاتا ہے، اگر ان امور پر عمل آوری ہو جائے تو ایک مثالی خاندان کے ساتھ ساتھ ایک مثالی معاشرے کے خواب کو بھی حقیقت میں بدلا جاسکتا ہے، کیونکہ ان سب کا حل ان ہی میں موجود ہے۔

☆اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر آپ سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔ **رابطہ اور واٹس اَپ نمبر 9576507798**

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168,Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233

نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ **www.imaratshariah.com** پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ (**محمد اسعد اللہ قاسمی منیجر نقیب**)

WEEK ENDING-23/01/2023, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,

نقیب | قیمت فی شمارہ -/8 روپے | ششماہی -/250 روپے | سالانہ -/400 روپے